انیس صاحب

جنگ عظیم

از

شہید ادب پنڈت سندر نرائن مشتاق (فرخ آبادی)

میں نے زیر نظر کتاب اور اس کے مقدمہ کو بغور دیکھا اور پڑھا۔ میری قطعی رائے ہے کہ یہ تصنیف اتحادیوں (Allies) کی نیک نیتی اور ان کے نظریہ جنگ کی عظمت کو کما حقہ واضح کرتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے اور نیز ان دلائل سے جو اس میں پیش کیے گئے ہیں ہر انسان اس حقیقت کے ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ واقعی گذشتہ جنگ عظیم اور نیز موجودہ جنگ کی طرف اتحادی اقوام نے محض بنی نوع انسان کی بہبودی اور آزادی کے لیے قدم اٹھایا ہے!

راج ناتھ کنزرو
(ممبر نیشنل ڈیفنس کونسل)

"خطبات مُشران"

کی اہمیت — دورِ حاضر کے ادیبوں کی نظر میں

(۱) جناب خواجہ غلام السیدین صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم جموں و کشمیر کے صحیفہ گرامی کا اقتباس۔

یہ ایسے خطبوں کا بیش بہا مجموعہ ہے جن میں علمی اور ادبی مسائل پر خاص روشنی ڈالی گئی ہے۔ غالباً یہ کتاب ریاست کے کالجوں اور اسکولوں کی توجہ اس کی طرف دلائی جائے گی۔ اُن کی لائبریریوں کے لئے فائدہ مند اضافہ ثابت ہوگی۔

(۲) جناب ڈاکٹر محمد وحید مرزا صاحب، پی-ایچ-ڈی، صدر شعبہ السنہ مشرقیہ لکھنؤ یونیورسٹی کے ریویو کا اقتباس۔

مجھے یہ کہنے میں بالکل تامل نہیں کہ ادبی، اخلاقی اور معاشرتی پہلوؤں سے یہ خطبات بہت ہی قابل قدر ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ ایک شخص کس طرح ایسے مختلف مضامین اور متنوع فنون پر ایسی قدرت رکھ سکتا ہے۔

(۳) جناب ڈاکٹر محمد حفیظ سید صاحب، ایم-اے، پی-ایچ-ڈی، ڈی-لٹ- (شعبہ اردو الہ آباد یونیورسٹی) کے ریویو کا اقتباس (ماخوذ از لیڈر الہ آباد)

زبان پاکیزہ، سلیس، موثر اور شستہ ہے۔ طرزِ بیان بالکل بے عیب ہے۔ ہر موضوع کو اعلیٰ قابلیت اور وقیع مسائل کی وسیع معلومات سے مالا مال کر دیا گیا ہے۔

(۴) جناب محمد حاذق صاحب ایم-اے شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ۔

غرض اس مجموعہ خطبات کے مطالعہ سے پنڈت جی کی فراخ دلی۔ بے تعصبی۔ وسعت نظر۔ بلندیٔ فکر۔ پختگی خیالات۔ ذوق سلیم اور وجدان صحیح کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۵) جناب حامد حسن قادری صاحب پروفیسر سینٹ جانس کالج آگرہ۔

پنڈت سندر نراین صاحب مُشران کے یہ مضامین اور تقریریں تو دراصل اشاعت و مطالعہ و استفادہ کی چیزیں ہیں۔ ان کے پڑھنے سے بہت سے معلومات تاریخی مجھے حاصل ہوئے جو پہلے سے حاصل نہ تھے۔

(۶) جناب مہدی حسن صاحب پی-ایچ-ڈی (لندن) ڈی-لٹ (پیرس) پروفیسر علم التاریخ آگرہ کالج۔

اگرچہ خطبات مولانا نذیر احمد مرحوم اور سر سید اعظم مرحوم وغیرہ کے لکھے ہیں جو بجائے خود ان کے علمی کارنامے ہیں۔ مگر باینہمہ اُن میں وہ متنوع مضامین نہیں جو اس مجموعہ میں ہے۔ بنا بریں میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ نے یہ مجموعہ شائع کرکے اردو ادب میں نہ صرف ایک کتاب کا بلکہ ایک شعبہ ادب کا اضافہ کر دیا۔

جنگ عظیم

اُن لکچروں کا مجموعہ

جو

شہید ادب پنڈت سُندر نراین مُشران مرحوم فرخ آبادی

نے دوران جنگ عظیم میں مرتب کیے اور جلسوں میں پڑھے

مع مقدمہ

نوشتہ جناب نسیم صاحب امروہوی

ناشر جگموہن نراین مُشران ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج (یو۔پی)
ونگفیلڈ پارک نمبر ۲۳۶ لکھنؤ

باہتمام حاجی محمد سمعیل صدیقی ادبی پریس لاٹوش روڈ لکھنؤ میں چھپی

قیمت ایک روپیہ

۱۹۴۳ء

پہلا ایڈیشن ۱۰۰۰ جلد

فہرست مضامین

ملنے کا پتہ:- پنڈت جگموہن نرائن مشران ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج (یو۔پی)
نمبر ۲۶/۷ ونگفیلڈ پارک لکھنؤ

ریویو

از جناب پنڈت راج ناتھ کنزرو صاحب دام اقبالہ

ممبر نیشنل ڈیفنس کونسل

میں نے زیر نظر کتاب اور اُس کے مقدمہ کو بغور دیکھا اور پڑھا۔ میری قطعی رائے ہے کہ یہ تصنیف اتحادیوں (Allies) کی نیک نیتی اور اُن کے نظریہ جنگ کی عظمت کو کماحقہٗ واضح کرتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے اور نیز اُن دلائل سے جو اس میں پیش کئے گئے ہیں۔ ہر انسان اس حقیقت کے ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ واقعی گزشتہ جنگ عظیم اور نیز موجودہ جنگ کی طرف اتحادی اقوام نے محض بنی نوع انسان کی بہبودی اور آزادی کے لئے قدم اُٹھایا ہے۔

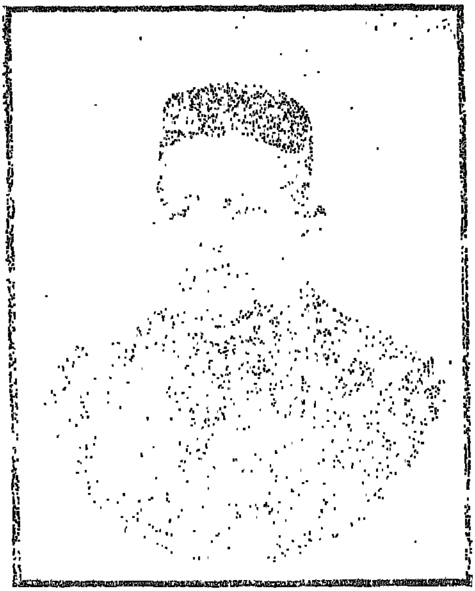
جہاں تک اس تصنیف کی زبان کا تعلق ہے۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ وہی ہے جو مستند و معروف فضلاء و فصحاء لکھنؤ و دہلی بولتے اور لکھتے چلے آئے ہیں۔ فقط

ریویو

جو اخبار "مجیب" (ہفتہ وار) فرخ آباد مورخہ ۸ فروری ۱۹۴۳ء میں شائع ہوا

کتاب زیر نظر میں سر کیلاش پنڈت سندر نراین مشران کی وہ معرکتہ الآرا تقاریر مجتمع کر دی گئی ہیں جو بدوران جنگ عظیم مختلف مواقع پر پیش کی گئیں۔ تقاریر و خطبات کی ہمہ وجوہ جامعیت کے لیے شہید ادب مشران کی ادبی شخصیت کا حوالہ ہی کافی ہے۔ موجودہ جنگ میں ان خطبات سے بہت کچھ معلومات فراہم کی جا سکتی ہیں اور اب جنگ جس منزل پر پہونچ گئی ہے اِن تقاریر کے مطالعہ سے اتحادیوں کی فتح کے متعلق یقین اور اطمینان کا سامان فراہم ہوتا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ مختلف اضلاع کے وار بورڈ اس کی قدردانی کریں اور قابل ناشر پنڈت جگموہن نراین صاحب مشران ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج یو۔پی کی خدمات کی عملی داد دیں جنھوں نے اس کا کل منافع بھی خدمت ملک و حکومت میں کام آنے والے سپاہیوں کی بیواؤں کے لیے وقف کر دیا ہے۔

اک ادیب نکتہ داں سے شہر خالی ہو گیا   گوہر یکتا بھری محفل میں گر کر کھو گیا



شہید ادب

پنڈت سندر نراین مُشران فرخ آبادی کے
مختصر حالات زندگی

پنڈت سندر نراین مشران ایم-آر-اے-ایس (لندن) فرخ آباد کے رئیس

اور اُردو کے نامور خطیب اور ممتاز ادیب تھے۔ آپ کے والد پنڈت
لچھمی نراین مشران پسندیدہ خدمات کے صلہ میں ملکہ وکٹوریہ کی سند
خیر خواہی پائے ہوئے تھے اور آپ کے دادا پنڈت گوردھن داس مشران
کو (جو نواب تجمل حسین خان بہادر والی فرخ آباد کی سرکار میں مدار المہام
تھے) بہادر شاہ بادشاہ دہلی کی سرکار سے "انتظام الدولہ ممتاز الملک
مہاراجہ گوردھن داس بہادر دیوان اعلیٰ" کا خطاب تھا اور اُن کی
اسناد میں تحریر ہے کہ فرخ آباد کے ضلع کا انتظام مالی بعد غدر محض
گوردھن داس کے مشورہ سے کیا گیا ہے۔ پنڈت گوردھن داس کے
بزرگ صوبہ دار کشمیر تھے لیکن کشمیر میں طوائف الملوکی کے زمانہ میں
ترک وطن کرکے فرخ آباد میں اقامت گزیں ہو گئے تھے۔

آپ کو رفاہ عام کے کاموں میں ہمیشہ خاص دلچسپی رہی۔ چنانچہ
فرخ آباد میں (بقول حفیظ مجیبی صاحب) آپ کی قائم کی ہوئی سے
شہر میں آج پبلک لیبریری ہے میں بھی ہوں سندر نراین جی کی زندہ یادگار
اس لائبریری کے ہال میں ایک سنگ مرمر کی لوح بھی آپ کی
یادگار میں نصب ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد بورڈ کے پہلے میر مجلس تھے
اور اس عہدے کے فرائض کو آپ آخر وقت تک باحسن الوجوہ انجام
دیتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی با اثر شخصیت شہر فرخ آباد میں
امن و امان کی ضامن تھی اور جیسا کہ ممبران لائبریری کے سپاسنامہ
میں اعتراف کیا گیا ہے آپ کے زمانہ میں "سب ہندو مسلم تیوہار

بہ تزک و احتشام اور بہ حسن و خوبی تمام" انجام پاتے رہے۔

جنگ عظیم کے دوران میں آپ نے بحیثیت سکریٹری لائبریری چار برس تک بطور وار لکچرر گورنمنٹ اور رعایا کی خدمت بخوبی تمام انجام دی اور یہ پولیٹکل تقریریں جو بہ شکل "جنگ عظیم" شایع ہوئی ہیں گورنمنٹ اور رعایا کے حق میں رحمت و برکت ثابت ہوئیں اور رعایا اور سرکار کی باہم خیر خواہی اور ہمدردی کے تعلقات میں بہت اضافہ ہوگیا۔ جبہ یہ حالات میں بھی وہ ہماری راہنمائی کے لئے کافی ہیں کیونکہ ان کے مطالعے کے بعد ہر شخص اسی نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ اس عالمگیر جنگ میں بھی اتحادی طاقتیں آخرکار اپنی زبردست اخلاقی وسائل کی بنا پر کامیاب ہونگی۔

آپ کے خطبات کا مجموعہ موسومہ "خطبات مشران" ایک رنگا رنگ پھولوں کا گلدستہ ہے جس میں آپ نے اخلاقی، علمی، سیاسی اور تمدنی ہر قسم کے مباحث پر سلیس اور دلچسپ الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔ آپ کی تقریریں بہت صاف اور سلجھی ہوئی اور طرز ادا نہایت دلکش ہے۔ زبان وہی ہے جو فصحائے دہلی و لکھنؤ بولتے ہیں جس کے بارہ میں آپ نے خود ایک خطبہ کے دوران میں ارشاد فرمایا ہے۔ "اردو میں نے پیرزالال کشمیر (اپنی ماں اور بہن وغیرہ) سے سیکھی ہے۔" حق یہ ہے کہ ایسی فصاحت اور بلاغت جیسی کہ آپ کے خطبات میں ہے اُسی کو حاصل ہو سکتی ہے جس نے اپنی ماں بہن

سی کی گود میں زبان سیکھی ہو۔

علم و ادب سے آپ کو جو روحانی تعلق تھا اُس کے اظہار میں یہ واقعہ خصوصیت سے بیان کرنے کے قابل ہے کہ ۱۷ جنوری ۱۹۳۷ء کو ستّر برس کی عمر میں فرخ آباد کے ایک عظیم الشان مشاعرے میں بحیثیت صدر افتتاحی تقریر کرتے ہوئے آپ جاں بحق ہوئے اور قوم سے "شہید ادب" کا خطاب پایا۔

ایسی مرگ کامراں ملتی ہے کس انسان کو
زندۂ جاوید کہنا چاہیے مُشتر ان کو

مقدمہ

ازمولانا نسیم امروہوی

انسانی تاریخ کا دامن جنگ و جدل کے افسانوں اور قتل و خونریزی کی داستانوں سے کسی وقت بھی خالی نہیں رہا۔ ہم ہر زمانہ اور ہر عہد میں نوع انسانی کو ایک دوسرے سے دست و گریبان دیکھ سکتے ہیں ۔ جب انسان گھنے جنگلوں کے دامنوں اور دشوار گزار پہاڑوں کی وادیوں میں حیوانوں کی طرح اپنی زندگی کے دن کاٹتا تھا اس وقت بھی وہ جنگجو، اور خونریز تھا اور آج بھی جبکہ اُسے اپنی تہذیب و تمدن پر ناز ہے اور وہ تمام عناصر قدرت کو تسخیر کر چکا ہے، اس کے ہاتھ اپنے ہمجنسوں کے خون سے لتھڑے ہوئے ہیں اور وہ اُسی قدر وحشی، اُسی قدر غضبناک اور اُسی قدر جنگجو ہے جتنا اپنی زندگی کے ابتدائی تاریک ترین دور میں تھا۔ بلکہ مقابلۃً آج اس کی لڑائیاں زیادہ وحشیانہ اور آج اس کے کارنامے زیادہ بھیانک ہیں۔ اب سے پانچ چھ ہزار برس قبل غاروں اور بنوں میں رہنے والے آدم زاد کے پاس موت اور تباہی کے وہ مہلک ہتھیار کہاں تھے۔ جو بیسویں صدی کے مہذب اور ترقی یافتہ انسانوں کے پاس موجود ہیں۔ بیشک یہ چیز تعجب انگیز ہے کہ انسانیت کی تمدنی اور دماغی ترقیاں

اس کی جارحانہ فطرت کے وحشیانہ تقاضوں کو فنا نہیں کرسکیں۔ امن و انسانیت کے ان تمام دعووں کے باوجود، نہ ختم ہونے والی لڑائیوں اور نہ فیصل ہونے والی معرکہ آرائیوں کا ایک طویل و غیر مختتم سلسلہ ہے جو انیسویں اور بیسویں صدیوں میں ہمیں نظر آتا ہے۔ حالانکہ یہی دونوں صدیاں، انسانی سماج کی شائستگی اور تہذیب و تمدن کی ترقی کے لئے زیادہ مشہور ہیں۔

موجودہ صدی اس اعتبار سے ہمیشہ یادگار رہے گی کہ تاریخ کی دو سب سے زیادہ بھیانک اور عالمگیر جنگیں — اسی صدی میں ہوئیں۔ اور اس دعوے کے ساتھ لڑی گئیں کہ اس عالم کے دائمی اور حقیقی قیام و استقرار کے لئے ان جنگوں کا ہونا ناگزیر تھا۔ بیشک لڑائیاں پہلے بھی ہوتی تھیں۔ لیکن قدیم اخلاقیات میں جنگوں اور معرکہ آرائیوں کو اتنی نفرت و حقارت سے نہ دیکھا جاتا تھا جس کا شور ہم اس زمانے کے مصلحین اور امن پسندوں کی زبان سے سنتے ہیں۔ نہ عہد قدیم میں افراد و اقوام کی زندگی اس قدر منضبط اور باقاعدہ تھی کہ امن و امان کی کوئی بین الاقوامی تحریک اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی۔ اس زمانہ میں صرف مذہبی تحریکیں ہی مصالحانہ اور امن پسندانہ مقاصد کے لئے استعمال ہوا کرتی تھیں اور نوع انسانی کی حیات اجتماعی اور حیات انفرادی کو باہمی تعاون اور اشتراک عمل کے لئے آمادہ کرتی تھیں۔ آج مذہب (خصوصاً جہاں تک یورپ کا تعلق ہے) اپنا اثر و اقتدار ضائع کر چکا ہے۔ البتہ مذہب کے

بجائے جدید قومی اخلاق۔ اپنے محدود دائرے میں۔ امن و آشتی اور عالمگیر انسانی برادری کی بھلائیوں اور نیکیوں کا پرچار کرتا رہتا ہے مگر وہ اپنی کوششوں میں ناکام ہے اور اقوام عالم پہلے سے زیادہ خونریز اور جنگجو بن گئی ہیں۔ بلکہ شاید یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ یورپی ممالک نے جارحیت جنگجوئی لشکرکشی اور کشورکشائی کا جو ریکارڈ پیش کیا ہے اس کی مثال تاریخ کا کوئی زمانہ نہیں پیش کرسکتا۔ یورپی ممالک میں بھی بسمارک قیصر اور ہٹلر کے جرمنی نے۔ جن کا پروگرام محض جنگ، دائمی جنگ، نہ ختم ہونے والی جنگ ہے۔

پچھلی عالمگیر جنگ اور موجودہ لڑائی محض جرمن لیڈروں کی مجنونانہ خواہش اقتدار کا ایک کرشمہ ہے۔ اتفاق سے جرمن کو یکے بعد دیگرے ایسے لیڈر اور رہنما ملتے رہے جو محض تلوار میں عقیدہ رکھتے تھے۔ پرنس بسمارک ان سب کا استاد ہے۔ پرنس بسمارک نے جرمن قومیت کے بکھرے ہوئے اجزا کو ایک لڑی میں پروکر انھیں ایک شاندار اور مضبوط قوم بنادیا اور یہ کہکر ان کی کمر سے تلوار باندھ دی کہ:

"تم ایک پرعظمت اور وسیع جرمن شاہنشاہیت کو قائم کرنے کے لئے پیدا کیے گئے ہو۔"

یہ الفاظ، جادو نما تاثیر رکھتے تھے۔ جرمن قوم ان لفظوں سے مسحور ہوگئی اور پرنس بسمارک کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کھڑی ہوئی۔ مرحوم قیصر ولیم ثانی پرنس بسمارک کا روحانی شاگرد تھا۔ وہ ایک عظیم جرمن سامراج کے

خواب دیکھ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ جرمنی نے تجارت و صنعت، ایجاد و اختراع اور تنظیم و تعمیر کے ہر گوشہ میں نمایاں ترقی کر لی تھی۔ جرمنوں کی نئی نسل اپنی ان ترقیوں پر نازاں تھی۔ ان میں زندگی کا نیا خون اور نوجوانی کی پُر جوش روح دوڑ رہی تھی۔ وہ اپنے آپ کو دنیا کی سب سے زیادہ زبردست اور بلند تر قوم سمجھ رہے تھے اور بے چین تھے کہ اپنی تنومندی، زور آوری اور دلیری کا ایسا مظاہرہ کریں کہ دنیا بھر ان کا لوہا مان جائے۔

جرمنوں کی اس جارحانہ اسپرٹ کا مظاہرہ اگست ۱۹۱۴ء میں ہوا جبکہ جرمنوں نے آسٹریا ہنگری کی شاہنشاہیت کے دوش بدوش ایک طرف روس اور دوسری طرف بلجیم و فرانس پر حملہ کیا۔ پہلی جنگ عظیم یکم اگست ۱۹۱۴ء سے شروع ہو کر ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء کو ختم ہوئی۔ یہ جنگ تقریباً چار سال جاری رہی اور چار سال کی اس مدت میں کروڑوں آدمی اور اربوں پونڈ، آگ اور خون کے اس شیطانی کھیل کی بھینٹ چڑھ گئے۔ گزشتہ جنگ میں، جرمن، آسٹریا، ہنگری، بلغاریہ اور ترکی ایک طرف تھے۔ سرویا، روس، فرانس، برطانیہ، امریکہ، اطالیہ، اور جاپان وغیرہ دوسری طرف تھے۔ اس لڑائی پر بہت سی کتابیں اب تک لکھی جا چکی ہیں۔ اردو میں بھی اس قسم کے لٹریچر کی کمی نہیں، مگر موجودہ جنگ کے بین الاقوامی ہنگاموں۔ اور اس کے تباہ کن اثرات و نتائج نے ایک مرتبہ پھر لوگوں کے ذہن میں قدیم جنگ عظیم کی یاد تازہ کر دی ہے۔ اور لاکھوں ذہنوں اور ہزاروں دماغوں میں بار بار یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پچھلی لڑائی کیونکر شروع ہوئی تھی؟ وہ کیا اسباب تھے

جنھوں نے انسانیت کو اس ابتلائے عظیم میں مبتلا کر دیا تھا؟ جرمن قوم کا نصب العین کیا تھا؟ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انھوں نے کیا کیا ذرائع اختیار کئے؟ اتحادیوں کا نقطہ نظر کیا تھا؟ اتحادی طاقتوں کی جنگ جارحانہ تھی یا مدافعانہ؟ سرویا اور آسٹریا کے درمیان کیا نزاع تھی؟ وہ کیا اسباب تھے جنھوں نے پہلی لڑائی میں دنیا کی تمام مہذب اور امن پسند طاقتوں کو قیصر جرمنی کے خلاف اکٹھا کر دیا تھا اور پھر کس طرح آہستہ آہستہ جرمن کی اخلاقی طاقت کا دیوالہ نکل گیا۔ اور اسے ۱۹۱۸ء میں اپنے حریفوں کے روبرو ہتھیار رکھ دینا پڑے۔ حالانکہ وہ فوجی اعتبار سے شکست خوردہ نہ تھا؟

موجودہ زمانہ میں جبکہ دنیا انہی حالات سے دوچار ہے جو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک پیش آئے تھے یہ سوالات بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ تقدیر نے پھر قدیم حریفوں کو کچھ ردوبدل کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کیا ہے پھر جرمن، بلغاریہ، آسٹریا اور ہنگری (مشرق و مغرب کی نئی طاقتوں کے ساتھ) میدان میں صف آرا ہیں اور پھر روس، برطانیہ، امریکہ اور فرانس انسانی تہذیب، بین الاقوامی امن اور قوموں کی آزادی کے مقدس اصول کو برقرار رکھنے کے لئے بدی اور شرارت کی طاقتوں کے ساتھ مذہبی جنگ (Crusade) لڑ رہے ہیں۔ اس اکھاڑے کے حقیقی پہلوان وہی ہیں جو ۱۹۱۴ء میں باہم زور آزمائی کر چکے تھے۔ البتہ دونوں طرف کچھ پٹھے ضرور نئے ہیں لیکن چند مہروں کے بدل جانے سے قمار کی کیفیت اور بساط کی نوعیت نہیں بدل سکتی۔

پنڈت سندر نرائن مُشران مرحوم کے چند خطبات کا یہ مجموعہ وقت کی ضرورت کا بہترین جواب مہیا کرتے ہیں۔ ان خطبات میں پنڈت جی نے پچھلی لڑائی کے بعض حالات پر انتہائی دلچسپ لفظوں میں روشنی ڈالی ہے اور سنہ ۱۹۱۴ء کے جرمن حملہ پر فلسفیانہ اور تاریخی نقطۂ نظر سے بڑی کارآمد بحث کی ہے پنڈت سندر نرائن کی زبان اور انداز بیان، دونوں خصوصیتیں تعریف و تعارف سے بالاتر ہیں۔ ان کی نظر محققانہ اور دماغ فلسفیانہ ہے۔ وہ جس مسئلہ کو لیتے ہیں، اس کے تمام اجزا کی الگ الگ تقسیم و تحقیق، استخراج نتائج اور منطقی اصول پر دلائل و براہین کی ترتیب سے نفس مسئلہ کو اس قدر واضح کر دیتے ہیں کہ پڑھنے والے کے دماغ میں کوئی الجھن اور فکر میں کوئی گرہ باقی نہیں رہتی۔

اپنے خطبات میں گزشتہ جنگ عظیم مبحث پر مرحوم نے جو کچھ کہا ہے وہ جدید حالات میں بھی ہماری راہنمائی کے لئے کافی ہے۔ ان خطبوں میں مُشران مرحوم نے اتحاد ثلاثہ (برطانیہ۔ فرانس اور روس وغیرہ) اور ایتلاف ثلاثہ (جرمن۔ آسٹریا اور ان کے حلیف) کے مقاصد جنگ پر جو قیمتی تبصرہ کیا ہے وہ آج بھی دول محور (جرمن۔ اطالیہ۔ جاپان) اور اتحادی طاقتوں کے نظری اختلافات کو نمایاں طور پر ہمارے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ ان خطبوں میں مُشران مرحوم نے پیشینگوئی کی تھی کہ اتحادی طاقتیں آخرکار اپنے زبردست اخلاقی وسائل کی بنا پر اس جنگ میں کامیاب ہوں گی اور جرمنوں نے غارتگری، دہشت انگیزی اور جبر و استبداد کا جو نفرت انگیز مظاہرہ

کیا ہے وہ ناکامیاب و نامراد ہو کر رہے گا۔ پنڈت جی کی یہ پیشینگوئی حرف بحرف ۱۹۱۸ء میں صحیح ثابت ہوئی جب مارشل ہینڈن برگ نے اتحادی جنرلوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور قیصر ولیم برلن سے بھاگ کر ہالینڈ چلا گیا۔ یہ پیشینگوئی ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ کیونکہ امن پسند دنیا سے پھر قیصر و بسمارک کی روح نے ٹکر لی ہے۔ اس مرتبہ بھی وہی زبردست اخلاقی وسائل آڑے آئیں گے جنہوں نے ۱۹۱۸ء میں اتحادیوں کو تباہ ہونے سے بچا لیا تھا اور پنڈت سندر نراین مشرا جی کی یہ پیشینگوئی اس جنگ کے خاتمہ پر دوبارہ پوری ہوگی۔

بہتر یہ ہے کہ تاریخی واقعات کی روشنی میں اس پیشینگوئی کے مضمرات کے متعلق کچھ اشارے کیے جائیں اور موجودہ جنگ کے نتائج کا قبل سے اندازہ کر لیا جائے۔ اس سلسلے میں جرمن کے فلسفۂ جنگ پر نظر ڈالنا ناگزیر ہے۔ جو در حقیقت بیسویں صدی کے تمام امن و سکون کے لئے تباہ کن حادثہ بنا رہا ہے۔ پہلے ہم کہہ چکے ہیں کہ جرمنی کی جدید قومی تحریک اور اجتماعی فلسفہ کا بانی، پرنس بسمارک ہے لیکن اگر اور گہرائی میں جا کر جرمن قومیت کی بنیادوں کو کھودا جاتا ہے تو ہمیں مشہور فلسفی نٹشے کی تعلیمات کے آثار ملتے ہیں۔ جنھوں نے نئے جرمنی کا دماغ بنایا ہے۔ نٹشے ایک جدید فلسفۂ طاقت کے مبلغ و داعی کی حیثیت سے مشہور ہے۔ وہ جنگ کو انسانی ترقی کے راستہ میں ایک ضروری اور لابدی عنصر قرار دیتا ہے۔ اس کا فلسفہ یہ ہے کہ اس دنیا میں صرف ان لوگوں کو زندہ رہنے اور پھلنے پھولنے کا حق حاصل ہے جو اپنے وجود کا سکہ چلوا سکیں اور اپنی زندگی کا لوہا منوا سکیں۔ نٹشے فوق البشر کا قائل ہے۔ یعنی ایک ایسا

انسان کامل جو موجودہ انسانوں سے بالکل مختلف ہوگا اور تمام دنیا پر حکومت کرے گا۔ نطشے جرمن قوم کو اس فوق البشری درجہ تک لیجانا چاہتا ہے۔ یہ فلسفہ بجائے خود نہ غلط ہے اور نہ تباہ کن۔ لیکن فکر و بصیرت کی ذراسی لغزش پوری قوم کو اس فلسفہ کے ہتھیار سے وحشی اور جنگجو بنا سکتی ہے۔

جرمن قوم انیسویں صدی کے آغاز تک ایک پراگندہ اور منتشر قوم تھی۔ خود غرض جاگیرداروں اور امراء نے جرمن کو سازشوں اور بے اعتمادیوں کا اکھاڑا بنا رکھا تھا۔ لیکن انقلاب فرانس کے بعد پھر تمام یورپ کی طرح جرمنی میں بھی ترقی و سابقت اور قومیت و تنظیم کی نئی لہر دوڑی۔ نطشے کی تعلیمات نے جرمن دماغوں کو گرما یا اور ابھی پورے پچاس برس بھی نہ گزرے تھے کہ جرمن براعظم یورپ میں صف اول کی طاقت بن گیا۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۸۷۰ء میں نپولین اعظم کے وطن۔ فرانس نے جرمن فوجوں کے سامنے ہتھیار رکھدیے۔ جولیس سیزر کے عہد سے اب تک جرمن نسل کی یہ خصوصیت اور حیرت انگیز صلاحیت رہی ہے کہ وہ ہر ضرب کے بعد سنبھل جاتی ہے اور دوسری ضرب لگانے پر تیار ہو جاتی ہے۔ آخر زمانہ میں جرمن علماء اور جرمن مفکرین نے جرمنوں کو قومی فخر و غرور، اپنی طاقت کے متعلق غلط پیش بینی اور نسلی برتری کے خبط میں مبتلا کر دیا اور جرمنوں نے اس مقصد کے پیش نظر تیاریاں شروع کیں کہ آخر کار انھیں دنیا بھر فتح کرنا اور ہر ملک پر اپنا پرچم عظمت و اقبال لہرانا ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے قرن اول سنہ ۱۹۱۴ء تک تمام جرمن سرگرمیوں کا واحد نقطہ صرف یہی تصور اور ارادہ رہا کہ جرمنی کے لئے دنیا بھر کو فتح کرلینا ضروری ہے

اور وہ فتح کر کے رہے گا۔

جرمن یونیورسٹیوں اور کالجوں میں، جرمن اخباروں میں، جرمن عوام میں مسلسل صرف یہی پروپگنڈا ہوتا رہا کہ جرمن دنیا کی اعلیٰ ترین نسل ہیں اور یہ اعلیٰ ترین نسل محض حکومت کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ دنیا کو فتح کرنے کے لئے جنگ ناگزیر تھی۔ اس لئے درحقیقت جرمنی ایک عالمگیر جنگ کی تیاریوں میں سرگرم تھا۔ جنگ کو جیتنے اور متحارب قوموں کو خوفزدہ کرنے کے لئے جرمن جوانوں کو انتہائی بربریت، صد درجہ سفاکی اور غیر معمولی خونریزی کی تعلیم دی گئی۔ ان کو بتلایا گیا کہ رحم و مروت، امن و آشتی اور عدل و انصاف کمزور قوموں کی خصوصیات ہیں۔ پابندی عہد، ایثار، علم اور صداقت افیونیوں کے اوصاف ہیں۔ فاتح قوموں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر چیتے کی سی تیزی، بھیڑیے کی سی سفاکی اور درندوں کی سی خصلت پیدا کریں۔ نٹشے نے اپنی تعلیمات میں کہا تھا کہ یہ دنیا کیڑوں مکوڑوں سے آباد ہے نٹشے کے مقلد فی الواقع اپنے علاوہ تمام دنیا کو کیڑا مکوڑا ہی سمجھنے لگے اور انھوں نے گزشتہ جنگ کے دوران میں ایسی درندگی اور بہیمیت کا ثبوت دیا اور بیلجیم کی بے گناہ آبادی پر وہ وہ مظالم کیے کہ تمام امن پسند دنیا ان کے بھیانک ارادوں سے کانپ اٹھی اور مشرق سے مغرب تک جرمنوں کے خلاف نفرت و حقارت کی ایک عام لہر دوڑ گئی۔ اس موقع پر مسٹر (بعد میں سر) آرتھر کونن ڈائل کے ایک مضمون کا اقتباس پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو آپ نے عالمگیر جنگ کی سازش کے زیر عنوان ۱۹۱۴ء میں لکھا تھا اس مضمون میں مسٹر آرتھر کونن ڈائل نے جرمنوں کے جارحانہ ارادوں پر بڑے دلچسپ انداز

میں روشنی ڈالی ہے مسٹر آرتھر کونن ڈائل گزشتہ جنگِ عظیم سے قبل قیصر کے بہت
مداح تھے اور سختی کے ساتھ اُن لوگوں کو ٹوکتے تھے جن کا خیال تھا کہ :-

”جرمن عالمگیر جنگ کے لئے زبردست سازش کر رہا ہے اور وہ
امنِ عالم کے لئے ایک مہیب خطرہ بننے والا ہے۔“

اسی زمانہ میں انھوں نے ”فورٹ نائٹ لی ریویو“ میں ایک مضمون کے ذریعہ
جرمن کی جنگی تیاریوں کو یہ کہکر سراہا ہے کہ :-

” یہ تلوار کی کھڑکھڑاہٹ ایک مضبوط اور نوعمر قوم (جرمن) کے پُرجوش
طفلانہ جذبات کا اظہار ہے۔ جو یہ چاہتی ہے کہ اپنے موٹے موٹے
جوتے پہنے ہوئے دنیا کے گرد کھٹ پٹ کرتی پھرے۔“

کتنی طفلانہ خواہش۔ کیسی تعجب انگیز سادگی۔!

اس کے علاوہ موصوف ”اینگلو جرمن فرینڈشپ سوسائٹی“ کے رکن رکین بھی تھے
لیکن ان تمام باتوں کے باوجود جرمن حکومت کے طرزِ عمل نے انھیں دل شکستہ
کر دیا اور انھوں نے پروفیسر برن ہارڈی (جرمن کے مشہور مصنف سیف و قلم) کی
تصنیف ”جرمنی اور آئندہ جنگ“ پر تبصرہ کرتے ہوئے پہلی مرتبہ یہ خیال ظاہر کیا کہ :

”مجھے ہرگز یہ خیال نہ تھا کہ جرمنی میں عالمگیر جنگ کا تخم سازش کے زیر سایہ
پرورش پا رہا ہے لیکن پروفیسر برن ہارڈی کی کتاب نے میری آنکھیں
کھول دیں۔ برن ہارڈی جرمن کا مشہور جنگی مبصر اور فنِ جنگ پر کئی کتابوں
کا مصنف ہے۔ وہ جرمن جنرل اسٹاف سے قریبی تعلق رکھتا ہے اور
اُس نے اپنی کتاب (جرمنی اور آئندہ جنگ) میں جرمنوں کے عزائم و

مقاصد کے متعلق امن پسند دنیا کو جو تنبیہ کی ہے، وہ بہت بھیانک اور مفسدانہ ہے"۔

اس سلسلے میں خطبات مُشران کے اندر جو مواد پیش کیا گیا ہے، وہ بھی بہت حد تک قابل توجہ ہے۔ مُشران مرحوم نے جرمنی کے جنگی ارادوں پر جو تبصرہ کیا ہے اس کی تصدیق پروفیسر برن ہارڈی کے مندرجہ بالا اقتباس سے ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آسٹریا ہنگری کی مدد تو محض ایک بہانہ تھا۔ فی الحقیقت قیصر کی حکومت عرصے سے عالمگیر جنگ شروع کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہی تھی۔ پروفیسر برن ہارڈی نے اپنی تصنیف میں جرمنی کے مجوزہ اور طے کردہ حملہ کی تفصیلات اس طرح بیان کی تھیں کہ:۔

"جرمن حملے کا تمام زور فرانس کو برداشت کرنا پڑے گا اور روس کو اس کے سست رفتار فوجی اجتماع میں روک لیا جائے گا۔ اس کے بعد ایک برق رفتار حملے کے ذریعہ فرانس کو کچل کر فاتح فوجیں بے شمار ٹرینوں کے ذریعہ مشرقی محاذ روس و سرویا کی سرحد پر پہونچا دی جائیں گی۔ اس دوران میں برطانیہ کو برابر بہلایا پھسلایا جاتا رہے گا اور جب جرمن کے دونوں ہاتھ فارغ ہو جائیں گے اور برطانیہ میدان جنگ میں تنہا رہ جائے گا تو جرمن آبدوزیں تحت البحر کشتیاں اور تباہ کن جہاز گھات سے نکلیں گے اور برطانیہ کی بحری طاقت کو پاش پاش کر کے رکھ دیں گے۔ ان معرکوں کے سرکرلینے کے بعد۔ ولہیلم شیوین، کے سمندری اڈوں سے جرمن کا بحری بیڑا نکلے گا اور تسخیر عالم کا خواب پورا ہو جائے گا"۔

صرف یہی نہیں بلکہ جرمنوں نے اس خواب کو مکمل کرنے کے لئے امریکہ پر تیز رفتار حملہ کا بھی پروگرام بنا لیا تھا۔ چنانچہ جرمن جنرل اسٹاف کے رکن "وان ایڈیشٹم" نے گزشتہ جنگ سے قبل ایک رسالہ لکھا تھا۔ جس میں امریکہ پر جرمن حملے کی ضرورت اور ذرائع بیان کیے تھے ان تمام چیزوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی لڑائی کے وقت جرمنوں کے ارادے کیا تھے اور کس طرح انھوں نے بین الاقوامی امن، جمہوریت، تہذیب اور آزادی کے اصول کو تباہ کرنے اور دنیا کے ہر قوم و ملک کو اپنا غلام بنانے کے لئے تلوار اٹھائی تھی۔ انھیں اپنی فتح کا مکمل یقین تھا اتنا کامل یقین کہ وہ اپنی مزعومہ فتح کے راستہ میں کسی رکاوٹ کو نہ برداشت کر سکتے تھے۔ چنانچہ بلجیم کی غیر جانبداری ان کے راستہ کی رکاوٹ تھی۔ اس لئے ۳ اگست ۱۹۱۴ء کو جرمنوں نے اپنی فوجیں بلجیم میں داخل کر دیں۔ حالانکہ بلجیم کی غیر جانبداری اور آزادی کی ضمانت تمام دول یورپ کے ساتھ خود جرمنی بھی کر چکا تھا۔ برطانی حکومت ابھی تک خاموش تھی اور سر ایڈورڈ گرے (برطانی وزیر خارجہ) یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ قیصر جرمن آسٹریا اور سردیا کے تنازع میں مداخلت کر کے۔ عالمگیر جنگ کے امکانات کا سدباب کرے گا۔

پچھلی جنگ کی تمام تاریخ کا یہ مرحلہ سب سے زیادہ اہم تھا۔ جرمن کے ہاتھوں بلجیم کی آزادی کو خطرے میں دیکھ کر آخر برطانی حکومت نے بھی جرمن کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور پہلی عالمگیر جنگ اپنے حقیقی معنوں میں شروع ہو گئی۔ اس لڑائی میں حق و انصاف اتحادیوں کی طرف تھا خصوصاً جہاں تک برطانی حکومت کا تعلق ہے اس نے اتنے بڑے خطرے کو صرف اس لئے مول لیا تھا کہ یورپ کو جرمن کی وحشیانہ طاقت اور طیوطانی (جرمن) نسل کے اس خبط سے بچا سکے کہ دنیا پر حکومت کرنے کا حق جرمن اور صرف جرمن کو حاصل ہے۔

پنڈت مشران مرحوم نے اپنے خطبات میں اس موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اور اتحادی طاقتوں کے اخلاقی تفوق کو صاف اور واضح دلیلوں کی مدد سے ثابت کیا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ دو فریقوں کی فوری جنگ کا نتیجہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو مگر جہاں تک آخری فیصلہ کا تعلق ہے تو پالا اسی فریق کے ہاتھ رہتا ہے جو اپنے عقائد میں کھرا اور اپنے نصب العین میں سچا اور دیانت دار ہوتا ہے۔ موصوف نے ان خطبوں میں جابجا اتحادیوں کے مقاصد جنگ، خود ان کی تقریروں اور بیانوں کی روشنی میں، پیش کئے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس لڑائی میں اتحادی گروہ کس نصب العین کی خاطر میدان میں آیا تھا۔

ایک تاریخی حقیقت ہے۔ جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ جنگ میں صرف وہی طاقت جیت سکتی ہے۔ جسے اپنے مقصد میں بے پناہ اعتماد اور اپنے عقیدے کی خاطر کٹ مرنے اور جان دینے کی لگن ہو۔ قربانی، ایثار، تحمل، جفاکشی اور صبر کے بغیر لڑائیاں نہیں جیتی جاسکتیں اور یہ اوصاف کسی قوم میں نہیں پیدا ہو سکتے جب تک اس کا مقصد اعلیٰ اور روح انسانی کو مسخر کر لینے والا نہ ہو۔ خونریزی، استبداد اور اقتدار کی مجنونانہ ہوس۔ ان چیزوں کا تعلق انسان کی فطرت صالحہ سے نہیں ہے۔ عارضی طور پر ممکن ہے، یہ جذبات دل و دماغ پر چھا جائیں مگر ضمیر کی آواز کو ہمیشہ کے لئے دبا دینا ناممکن ہے۔ اگر مقصد اعلیٰ اور شریفانہ ہوتا ہے تو میدان جنگ میں شکست میں لڑنے والوں کو بددل نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ ہر شکست کے بعد ان کے ضمیر میں نئی تڑپ اور قربانی کی نئی اسپرٹ پیدا ہو جاتی ہے لیکن اگر جد و جہد کا مقصد انسان کی فطرت سلیم کو اپیل نہیں کرتا تو چند ہی ٹھوکریں کھانے کے بعد، لالچ، ہوس اور

بربریت کا بھوت سر سے اتر جاتا ہے اور لڑنے کی ہمت باقی نہیں رہتی۔ تاریخ اس قسم کی ان گنت مثالوں سے بھری پڑی ہے لیکن ہمارے لئے سب سے زیادہ قریبی مثال گزشتہ اور موجودہ جنگ ہے۔ گزشتہ جنگ میں جرمن و آسٹریا ظالم تھے اور سرویا اور بیلجیم مظلوم۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تمام ہمدردیاں سرویا اور بیلجیم کے ساتھ تھیں اور آخرکار انہی ہمدردیوں اور اخلاقی تائیدوں نے لڑنے والی جرمن فوجوں کے بازو شل کر دیے اور خود ان کے ضمیر نے آواز دی کہ تم ظالم ہو اور تمام نوع انسانی تم پر لعنت بھیج رہی ہے۔ اسی احساس نے آخر جرمنوں کی قوت ارادی کو پست کر دیا اور وہ اپنی شاندار فتوحات کے باوجود اتحادیوں کے سامنے نہ ٹک سکے لیکن اتحادی فوجیں، باوجودیکہ ان کے نقصانات بے شمار اور ان کی پسپائیاں تباہ کن تھیں صرف اس لئے آخر وقت تک میدان میں جمی رہیں کہ ان کے ضمیر کی طاقت بدستور اور دل و دماغ کا توازن برابر برقرار تھا۔ وہ حق پر تھیں اور اپنی صداقت کا احساس ان کے پاؤں کو استقلال اور ان کے ارادوں کو استقامت بخش رہا تھا۔ جرمن سپاہیوں کے دل میں چور تھا۔ ان کے ذہنوں پر نفرت، حسد، انتقام، لالچ اور خود غرضی کا ابر چھایا ہوا تھا جبکہ اتحادی جنگ آزماؤں کے ضمیر صاف اور ارادے بے لاگ تھے، وہ محسوس کرتے تھے کہ آزادی، انصاف انسانیت، تہذیب اور حقوق انسانی کے مورچہ پر ان کی یہ قربانیاں، مذہب، اخلاق اور قانون فطرت کے اعتبار سے غیر معمولی اجر و ثواب کی مستحق ہیں۔ ان کی تلواریں اس لئے اٹھی تھیں کہ تمدن اور انسانیت کے معیار کو اونچا کیا جائے۔ وہ غازیوں اور شہیدوں کی اسپرٹ کے ساتھ اپنے ان دشمنوں سے لڑ رہے تھے جنہوں نے

محض خود غرضی اور لالچ کے زیر اثر، دوسروں کی آزادی اور پونجی پہ ہاتھ ڈالا تھا بیشک فطرت کا یہ اصول اٹل ہے کہ جھوٹ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، فتح سچ اور فقط سچ کی ہوتی ہے۔

آج پچھلی لڑائی کو ختم ہوئے ۲۵ برس ہوتے ہیں مگر جرمن کی جارحانہ فطرت اور ہوس اقتدار اپنے مقام پر باقی ہے۔ پچھلی جنگ کی ذمہ داری قیصر ولیم پہ عائد ہوتی ہے اور موجودہ ہنگامہ کا ذمہ دار ایڈالف ہٹلر ہے شخصیتیں ضرور دو ہیں مگر روح یکساں ہے۔ گویا وہ ڈرامہ جو اگست ۱۹۱۴ء میں شروع ہوا تھا اب تک جاری ہے۔ پہلے اس ڈرامہ کا چیف ایکٹر وہ شخص تھا جو پروشیا کے تخت کا شاہنشاہ تھا۔ اس ناٹک کے دوسرے ایکٹ میں نازیت کا بانی، جمہوریت اور انسانی آزادی کا جانی دشمن اور ۱۹۴۲ء کا چنگیز ہلاکو۔ یعنی ایڈالف ہٹلر چیف ایکٹر کا کام کر رہا ہے۔ جرمنی کے مقاصد اب بھی وہی ہیں جو پہلے تھے ۱۹۱۴ء میں بھی جرمنوں نے نوآبادیات کے حصول کے لئے جنگ چھیڑی تھی۔ اس مرتبہ بھی ان کی طلب و خواہش وہی ہے۔ قیصر نے عالمگیر جنگ کا بہانہ سرویا اور آسٹریا کے تنازع کو بنا لیا تھا۔ حالانکہ اس وقت برطانی حکومت نے جنگ روکنے کی انتہائی کوشش کی، بلکہ برطانی وزیر خارجہ سر ایڈورڈ گرے نے تو قیصر سے یہ وعدہ کیا کہ وہ حکومت برطانیہ کے نام پر آسٹروی مطالبات ریاست سرویا سے منوا دیں گے۔ یہ ایک ایسی پیشکش تھی جس کے بعد آسٹریا اور جرمن دونوں کے لئے جنگ کا کوئی بہانہ یا جواز موجود نہ رہا تھا لیکن قیصر نے کسی کی نہ مانی اور ایک بین الاقوامی جنگ کا عذاب اپنے سر لیا۔ اگست ۱۹۴۱ء میں ہٹلر

نے بھی پولینڈ کے مقابل وہی طرز عمل اختیار کیا۔ ہٹلر ۱۹۳۳ء میں برسر اقتدار آیا
ہے ۱۹۳۳ء میں اس نے اعلان کیا تھا کہ اس کا مقصد عالمگیر امن کے سوا کچھ نہیں
اور وہ یورپ کو پھر کسی جنگ عظیم میں الجھانا نہیں چاہتا۔ مگر حقیقتاً زبانی دعوے
تھے۔ پس پردہ کچھ اور تھا۔ پس پردہ ہٹلر دوسری جنگ عظیم کا نقشہ بنا رہا تھا۔ اس
مرتبہ جرمنوں کو اس عہد نامہ کا جو ۱۹۱۸ء کی شکست کے بعد جرمنوں اور اتحادیوں
کے درمیان تحریر ہوا تھا انتقام لینا تھا۔ درحقیقت نازی پارٹی (نیشنل سوشلسٹ)
کی بنیاد ہی اس لئے ڈالی گئی تھی کہ عہد نامہ وارسلیز کے بندھنوں کو توڑ کر
جرمنوں کے دونوں ہاتھ آزاد کر دیئے جائیں۔ تاکہ وہ پھر دنیا بھر کو خون
اور آنسوؤں کے سمندر میں دھکیل دیں۔ ہٹلر نازی پارٹی کا لیڈر رہا ہے۔ ہٹلر
نے اپنی پارٹی کے جو اصول مقرر کیے ہیں وہ بعینہ وہی ہیں جو پرنس بسمارک اور
قیصر جرمنی کی عظیم جرمن قومیت کے تھے۔ یعنی جرمن نسل دنیا کی اعلیٰ ترین نسل ہے
بقیہ قومیں محض اس لئے پیدا کی گئی ہیں کہ وہ آریہ قوم (جرمن) کی غلامی کریں
تہذیب و تمدن اور سوسائٹی کے مقررہ قوانین فقط ڈھکوسلے ہیں۔ جمہوریت
اور امن ذلیل قوموں کے نظریات ہیں۔ عوام ایک پراگندہ بھیڑ ہیں اور اس ریوڑ کو
ہنکانے کے لئے ایک فوق البشر انسان کی ضرورت ہے (اور جرمنی کا وہ فوق البشر
انسان فیوہرر ہے) سچائی، ایثار، رحم، انصاف اور بھائی چارہ، یہ تمام چیزیں دقیانوسی
اور از کار رفتہ ہیں۔ فاتح جماعتوں کا محض ایک اصول ہے اور وہ اصول ہے
دائمی خونریز جنگ۔ چنانچہ نازی پارٹی اسی اصول کو لے کر اٹھی اور دس
بارہ برس کی زبردست جدوجہد کے بعد جرمنی پر چھا گئی۔ یہ چیز بھی واضح

ہو جانا چاہیئے کہ نازیت (نیشنل سوشلزم) اول سے آخر تک ایک سرمایہ دارانہ تنظیم ہے جس کا فلسفہ یہ ہے کہ عوام پر دہشت انگیز طریقہ سے حکومت کی جائے۔ چنانچہ جرمنی کا موجودہ نظام حکومت اس کی بہترین مثال ہے۔ عوام کی حیثیت محض غلاموں کی سی ہے ـــ مگر دونوں میں فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ قیصر کسی جدید نسلی یا سیاسی تحریک کا لیڈر نہ تھا۔ وہ محض حکمران تھا مگر فیوہرر (ہٹلر) ایک وحشیانہ سیاسی تحریک کا رہنما بھی ہے۔ جو ایک نئے تصور حیات اور جدید فلسفہ علم و عمل کو ہمارے روبرو پیش کرتی ہے۔ اطالیہ کی فاشی اور جاپان کی قومی تحریکیں بھی کم و بیش نازیت سے ملتی جلتی ہیں۔ اس لئے قیصر کے مقابل ہٹلر کا زہر زیادہ مہلک اور زیادہ ہمہ گیر ہے۔ قیصر کے عہد میں جرمن اپنے کو جمہوریت انسانی حقوق، انفرادی آزادی اور معاشی انقلاب کا دشمن ظاہر کرنے کی جرات نہ کرتے تھے مگر ہٹلر کھلے لفظوں میں ان تمام اصول کا منکر ہے وہ اپنے کو جمہوریت کا دشمن، فرد کی آزادی کا پکا مخالف اور سرمایہ داری کا بہترین محافظ کہتا ہے اور دنیا بھر کو ان اصول کی دعوت دیتا ہے۔ یوں کہنا زیادہ صحیح ہے کہ "پان جرمنزم" (قیصر کے عہد کی سیاسی تحریک) کی ترقی یافتہ شکل، موجودہ نازیت ہے۔ اسی تناسب سے ہٹلر کے مقاصد بھی اپنے پیشرو کے مقابل زیادہ بھیانک اور زیادہ خوفناک ہیں۔ البتہ قیصر و ہٹلر کے درمیان مشابہت یہ ہے کہ دونوں حد درجہ جنگجو اور ظالم و مستبد ہیں۔ ہٹلر نے برسر اقتدار آتے ہی تمام عہد ناموں کی دھجیاں اڑا دیں اور مجلس اقوام کی زبردست مخالفت کے باوجود جرمن میں تیسری عالمگیر جنگ کا صور پھونک دیا۔ سب سے پہلے اس نے رائن لینڈ

سے ممنوعہ علاقہ میں بھی اپنی فوجیں داخل کر دیں۔ پھر زبردستی آسٹریا کو جرمن میں
شامل کر لیا۔ اس کے بعد زیکوسلاویکیہ پر ہاتھ ڈالا۔ اس زمانہ میں مرحوم مسٹر
نیوائل چیمبرلین برطانیہ کے وزیراعظم تھے مسٹر چیمبرلین کی پالیسی انتہادرجہ نرم
اور امن پسندانہ تھی۔ وہ جنگ سے نفرت کرتے تھے یہ شریفانہ عقیدہ رکھتے تھے
کہ آپس کے جھگڑے میدان جنگ میں نہیں بلکہ صحبت امن میں چکائے جا سکتے ہیں
یہی وجہ تھی کہ برطانی وزیراعظم ہٹلر کو جنگ سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش
کرتے رہے اور انھوں نے حتی الامکان جنگ کو ٹالا۔ یہاں تک کہ وہ خود میونک
جاکر ہٹلر سے ملے اور امن عالم کے موضوع پر گفتگو کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہٹلر
زیکوسلاویکیہ کو دھمکیاں دے رہا تھا۔ آخر مسٹر چیمبرلین کی کوششوں سے میونک
پیکٹ ہوا اور ہٹلر نے یہ وعدہ کیا کہ وہ حتی الامکان جنگ سے پرہیز کرے گا۔
مگر یہ خالی دل بہلاوا تھا۔ زیکوسلاویکیہ کا قصہ ختم ہوتے ہی جرمن ڈکٹیٹر نے
پولینڈ سے ڈانزگ وغیرہ کا مطالبہ شروع کر دیا۔ ساتھ ہی جرمنی میں عام لام بندی
کا حکم دے دیا۔ اب حالات قابو سے باہر ہو چکے تھے۔ مسٹر چیمبرلین کی
امن پسندانہ سرگرمیوں کا قلع قمع ہو گیا تھا۔ پولینڈ کی آزادی خطرے میں
تھی۔ یہ سب واقعات اگست ۱۹۳۹ء تک کے ہیں۔ اسی دوران میں ہٹلر نے ایک
زبردست چال چلی اور اس نے اپنے تاریخی حریف اور قدیم دشمن روس سے معاہدہ
کر لیا۔ ۲۴ اگست کو روس اور جرمن کے درمیان یہ معاہدہ ہوا اور ۳۱ اگست
کی رات میں ہٹلر کے طوفانی دستوں نے پولینڈ پر حملہ کر دیا۔ موجودہ عالمگیر جنگ
کا آغاز اسی حملہ سے ہوتا ہے۔ چونکہ برطانیہ اور فرانس دونوں پولینڈ کی آزادی

کی ضمانت کر چکے تھے اس لئے پولینڈ پر حملہ کے تیسرے روز برطانیہ اور فرانس نے بھی ہٹلر کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ سترہ روز میں پولینڈ جیسا عظیم الشان ملک پاش پاش ہو گیا۔ اس کے بعد ناروے، ڈنمارک، بلجیم، ہالینڈ، لکسمبرگ، فرانس، زیکوسلاوکیہ اور یونان یکے بعد دیگرے ہٹلری حملہ کا شکار ہوئے۔ یورپ سے فارغ ہو کر ہٹلر نے روس کو بھی نہ بخشا اور ۲۲ جون ۱۹۴۱ء کو سوویٹ یونین پر بھی جرمن فوجیں چڑھ دوریں (یہ جنگ اب تک جاری ہے)۔ موجودہ جنگ ہونے کے نو ماہ بعد مسٹر چیمبرلین کی وزارت بدل گئی اور آج برطانی حکومت بلکہ اتحادی اقوام کی رہنمائی کا بار مسٹر چرچل کے دوش پر ہے جو ہٹلر کے حقیقی مدمقابل اور جمہوری مورچہ کے سچے سپاہی ہیں۔ اس جنگ میں ایک طرف جرمن، جاپان، اور اطالیہ (محوری طاقتیں) اور دوسری طرف امریکہ، برطانیہ، روس، اور چین ہیں۔ جاپان کے ہاتھ چین، منچوریہ، کوریہ، جاوا، سماترا، فلپائن، ملایا، اور برما کے خون میں لتھڑے ہوئے ہیں۔ جاپان کے مقاصد بھی وہی ہیں جو جرمن کے۔ یعنی تسخیر عالم۔ اطالیہ بھی رومی شاہنشاہیت کے خواب دیکھ رہا ہے۔ دوسری طرف اتحادی گروہ ہے۔ جس میں روس اور چین محض بچاؤ کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ کیونکہ جرمن و جاپان کی طرف سے بلا وجہ ان کی آزادی پر حملہ کیا گیا ہے۔ برطانیہ اور امریکہ کے مقاصد جنگ۔ اٹلانٹک چارٹر سے ظاہر ہیں۔ جس میں تمام اقوام عالم کی آزادی جمہوریت اور انسانی حقوق کی بحالی اور نظام نو (New order) کے قیام کو موجودہ جنگ کا مقصد ظاہر کیا گیا ہے۔ محوری طاقتوں کے پاس صرف ایک ہی مقصد جنگ ہے

اور وہ ہے۔ ہر قوم کو اپنا غلام بنانا — اس جنگ کے دوران میں جرمن و جاپان نے اپنے مقبوضہ ممالک میں جو جو مظالم کیے ہیں اور انسانی آزادی اور حقوق کو جس طرح پامال کیا ہے، یقیناً چنگیز خاں اور سفّاح کا اعمالنامہ بھی اس کے سامنے شرمندہ ہے۔ بہر حال یہ ہے موجودہ جنگ کا پس منظر۔ اس پس منظر کے ساتھ، خطبات مشیران کا مطالعہ یقیناً بہت زیادہ سبق آموز ہوگا کیونکہ ان خطبوں میں پچھلی لڑائی کی جو وجوہ اور اتحادی اقوام کے جو مقاصد پیش کیے گئے ہیں، وہی وجوہ اور وہی مقاصد اس جنگ میں بھی موجود ہیں اور اس کے ساتھ ہی پنڈت جی کی یہ پیشینگوئی بھی کہ

"آخر کار جنگ میں اتحادی طاقتوں کو فتح نصیب ہوگی۔ کیونکہ سچائی کی طاقت ان کے ساتھ ہے"

نسیم امروہوی

جنگ عظیم پر پہلا لکچر

(زبانی)

جنوری ۱۹۱۵ء میں مُشران صاحب اگریسی صاحب بہادر کلکٹر ضلع کی طرف سے جنگ عظیم پر لکچر دینے کے لئے وار لکچرر مقرر ہوئے۔ پہلا لکچر ۲۱ مارچ ۱۹۱۵ء کو بمقام سرستی بھون واقع فرخ آباد زیر صدارت گریسی صاحب موصوف دیا گیا۔ لکچر تحریری تھا۔ اُس کو پڑھنے سے پہلے مشران صاحب نے جو تقریر زبانی کی وہ درج ذیل ہے۔

میر مجلس اور حضرات انجمن! میں آپ کی خدمت میں جنگ یورپ پر لکچر دینے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ تجویز یہ ہے کہ یہ لکچر ماہ بماہ ہوا کریں گے تاکہ خواص و عوام کو جنگ کی صحیح اور تازہ خبریں معلوم ہوتی رہیں اور جو غلط مشہور ہوتی ہیں اُن کی تردید ہوتی رہے۔ بہت سی بیہودہ خبریں مشہور ہو جاتی ہیں، مثلاً یہ کہ شہنشاہ جرمن قلعہ فتح گڑھ میں آ گئے اور حضرت جارج پنجم قیصر ہند قلعہ دہلی میں تشریف لے آئے۔ یہ خبریں اپنی تردید خود ہی کر دیتی ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان لکچروں کا سلسلہ پبلک کے لئے دلچسپ ہوگا اور جس طرح ملکہ شہرزاد نے الف لیلہ کے قصے تھوڑے تھوڑے بیان کیے تھے اور ہر رات قصہ کا باقی ماندہ حصہ سننے کے واسطے بادشاہ کے دل میں شوق باقی رہتا تھا۔ اسی طرح ممکن ہے کہ اس لڑائی کے حالات سننے کے لئے عوام کے دلوں میں ہمیشہ ذوق و شوق باقی رہا کرے گا۔

اس لڑائی میں جو مہابھارت سے بہت بڑھ گئی ہے ڈیڑھ کروڑ فوج شریک ہے، حالانکہ مہابھارت میں فقط چالیس لاکھ فوج تھی۔ اس وقت تک فقط جرمنی کے تیس لاکھ سپاہی مقتول و مجروح ہو چکے ہیں۔ جنگاہ میں کشتوں کے پشتے لگ گئے ہیں۔ میدان ہڈیوں سے سفید نظر آرہے ہیں۔ تمام دشت و بیابان خون سے لالہ زار ہو رہے ہیں اور لاکھوں لاشیں بے گور و کفن طعمۂ زاغ و زغن ہو رہی ہیں۔ برطانیہ نے کمزور قوموں کی حفاظت کی غرض سے، بلکہ حقوق انسانی کو بحال و برقرار رکھنے کے واسطے تلوار میان سے نکالی ہے، اس اصول پر کہ "جنگ بہ شمشیر آخر حیلہ ہاست" ؎

چو دست از ہمہ حیلتے در گسست   حلال است بُردن بہ شمشیر دست

ایسے بادشاہ کو جیسے جارج پنجم ہیں، اپنے زبردست دشمنوں سے بھی اندیشہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کی تمام رعایا اُن کے لئے جان مال سے حاضر ہے ؎

با رعیت صلح کن وز جنگ خصم ایمن نشیں   زانکہ شاہنشاہ عادل را رعیت لشکر ست[1]

برٹش اور ہندوستانی فوج نے جو تعداد میں جرمن سے چوتھا کبھی پانچواں حصہ کبھی چھٹا حصہ تھی مگر "مارل فورس" (moral force) میں بڑھی چڑھی تھی، جرمن کے دانت کھٹے کر دیے، اُس کے چھکے چھڑا دیے اور اُس کا قافیہ تنگ کر دیا۔ ہندوستانی فوج کی قوت برداشت ا ؛

---

[1] یعنی حب وطن رکھکر پوری اطاعت کے ساتھ ملک و قوم کی خاطر جاں نثاری کا خیال ۔

عزم و استقلال حیرت انگیز ثابت ہوئے۔ ایسے جاڑے میں کہ جب پارہ مقیاس الحرارت صفر سے ۲۰ ڈگری نیچے چلا گیا تھا اور شعلہ بھی سردی سے کانپتا تھا اور آگ بھی ٹھنڈی ہوتی جاتی تھی، جبکہ آسمان پر ہر وقت کہر چھایا رہتا تھا اور کرۂ نار بھی کرۂ زمہریر بن گیا تھا اور بقول نظامی کے سردی اس قدر تھی کہ ؎

دمہ دم فرو گیر چوں چشم کرگ ۔۔۔ شدہ کارگر گینہ دوزاں بزرگ

ایسے موقعوں پہ ہماری فوج نے مہینوں گزارا کیا اور وہ دادِ شجاعت دی اور وہ ہنگامۂ کارزار گرم کیا جو جنگ رستم و اسفندیار کی مانند صفحۂ روزگار پہ ہمیشہ یادگار رہے گا ؎

ستم رہا زمین پہ نے سام رہ گیا ۔۔۔ مردوں کا آسمان کے تلے نام رہ گیا

بھی ہمارا سکھ سپاہی جرمن سپاہی سے لپٹ گیا۔ ایک نے سنگین ماری دوسرے نے تلوار کا وار کیا۔ دونوں کے جسم سے خون کے فوارے پھوٹ رہے تھے لیکن ایسے گتھے ہوئے تھے کہ گویا دو اصیل مرغ باہم لڑ رہے ہیں جو باوجود سخت زخمی ہونے کے منہ نہیں پھیرتے اور زخم پر زخم کھا رہے ہیں ؎

لوئی خروسان شاطر بہ جنگ ۔۔۔ بہم درفتادہ بہ منقار و چنگ

سکھ بمقابلہ جرمن کے جسمانی طاقت میں فائق تھا، اس نے جرمن کو اٹھا کے دے پٹکا اور ہلاک کر دیا لیکن خود بھی ایسا زخمی تھا کہ اٹھ نہ سکا اور جاں بحق ہو گیا۔ اس طرح دونوں جانبازوں نے اپنے اپنے

بادشاہوں کا حق نمک ادا کر دیا۔

صاحبو اس جنگ عظیم کا فوری سبب تو ظاہر ہے کہ ولی عہد آسٹ
اور اس کی بیگم کا قتل ہونا تھا۔ لیکن اصلی سبب آسٹریا کی زیادتیاں تھ
اور سب کی تہ میں جرمنی تھا جس کے بھروسے پر آسٹریا نے فوج کشی کی تھ
مسٹر بالفور نے جو اسپیچ برسٹل میں دی ہے اس میں لڑائی کا سبب بیا
کرتے ہوئے عمدہ الفاظ میں German Militarism کا حا
بیان فرمایا۔ وہ کہتے ہیں۔

Unhappily for herself, unhappily for
ıankind, Germany had apparently felt that
ı was not sufficient to be great, honoured,
'ealthy and secure, but no nation worthy of
he name, having domination within its
rasp should fail by all means, fair or foul,
secure domination until it was secured.

یعنی اپنی بدقسمتی اور بنی آدم کی بدنصیبی سے جرمن نے بظاہر یہ سمجھ لیا
کہ ہمارے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم فقط ایک بڑی اور معزز
کہلائیں یا مال و دولت میں ممتاز یا دوسروں کے حملوں سے بے خطر
بلکہ ہماری ایسی قوم کو جس کا نام بڑا ہو اور جو دوسروں پر آسانی سے
آ سکتی ہو یہ چاہیے کہ جائز ناجائز وسیلوں کی پروا نہ کرے اور د

اپنا اقتدار جمانے اور سکہ بٹھانے کی کوشش کرتی رہے یہاں تک کہ کامیاب ہو جائے۔ پس ظاہر ہے کہ جرمنی کی ملیٹری پالیسی نے یورپ میں یہ آگ لگائی اور جس قدر کہ خون ناحق بندگان خدا کا آب باراں کی طرح بہایا جا رہا ہے، اُس میں نہ سرویا کا قصور ہے نہ آسٹریا کا، نہ حلیفوں میں سے کسی کا، بلکہ قیامت تک یہ خون ناحق خسرو جرمن کی گردن پر رہے گا، نہ کسی اور کی گردن پر۔

برطانیہ نے جو اس جنگ عظیم میں شرکت کی ہے وہ حفاظت خود اختیاری کے اصول پر کی ہے۔ جب اُس نے دیکھا کہ جرمنی کے جور و جفا سے انسانی تمدن اور آزادی دنیا کو نقصان پہونچنے والا ہے اور صلح کے نامہ و پیام کا کوئی اثر نہیں ہوا، تب اُس نے سن سی نیٹس (Cincimuatus) کی طرح تلوار میان سے نکال لی۔ جو اُس وقت تک میان میں نہ جائے گی جب تک دشمنوں کا خون نہ چاٹ لے اور اُن کو تلوار کے گھاٹ نہ اُتار دے برطانیہ اور اُس کے حلیفوں کی طرف سے یہ لڑائی حق بجانب ہے۔ کیونکہ حیثیت دار قوموں کے نزدیک ایسی لڑائی بعض وقت ضروری ہوتی ہے اور تمام دنیا کے صلح جو اور جنگجو، دونوں فریق کی رائے اس پر متفق ہے، جو حسب ذیل ہے۔

Both the pacifists and militarists a agreed that without doubt to defend one right at peril of death is a most genero deed, without doubt the communities u

willing to do so soon fall into the lowest state of degradation. War is the one method of deciding international question Said the Moscow Gazette in 1894, "that gross evils require gross remedies and great crises violent solutions, that in the long run certain evils become intolerable that an end must be made of those evils at all costs and that an end cannot be made of them except by war"

یعنی یہ کہ صلح جو اور جنگجو دونوں فریق کی رائے ہے کہ اپنے حقوق
کے استحفاظ میں لڑنا اور جان کو خطرہ میں ڈالنا نہایت عمدہ کام
ہے اور جو قومیں ایسا نہیں کرتیں وہ جلد نہایت ذلت کے درجہ
کو پہونچ جاتی ہیں۔ جنگ صرف ایک ایسا ذریعہ ہے کہ جس سے معاملا
بین الاقوام کا تصفیہ ہو جاتا ہے۔ ماسکو گزٹ ۱۸۹۴ء کا مقولہ ہے
"جب بیماری سخت ہوتی ہے تو علاج بھی سخت ہوتا ہے اور جب کوئی بڑی
سخت خرابی پڑ جاتی ہے تو اس کے دور کرنے میں بہت سختی عمل میں لانا پڑتا
ہے بعض برائیاں اور خرابیاں اگر زیادہ مدت تک رہیں، تو قابل برداشت
نہیں ہوتیں اور لازم آتا ہے کہ ان کو دور کیا جائے، چاہے کچھ اپنا
گزر جائے اور وہ بیخ و بن سے نہیں اکھڑ سکتیں مگر صرف جنگ کے ذریعہ"
گو دنیا میں سمجھدار اور صلح جو لوگوں کی کوشش ہمیشہ یہی رہی
کہ جنگ کرکے خون ناحق نہ بہایا جائے، مگر وہ اس فساد کو روک نہ سکے اور

خویشتن داری کے جذبات کبھی بہادری کے جوش اور ملک و دولت حاصل کرنے کی خواہشات کبھی کمزوروں اور غریبوں کو مدد دینے کے شریفانہ خیالات قوموں کو باز نہ رکھ سکے اور گو پہلے کے عہد و پیمان اکثر جنگ کو منع کرتے تھے، مگر لڑنے والوں کے ہاتھ کوئی نہ کوئی عذر و حیلہ ایسا آجاتا تھا کہ وہ صلحنامے سب کاغذ بادی ہو جاتے تھے۔ ع۔ ڈھونڈ لیتے ہیں بہانہ کوئی لڑنے والے۔ آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ روس اور پیرس کے مدبران سلطنت نے یہ اوسط نکالے ہیں کہ سنہ ۱۴۹۶ء قبل مسیح سے سنہ ۱۸۶۱ء تک یعنی ۳۳۵۸ برسوں میں صرف ۲۲۷ سال صلح کے گذرے، باقی ۳۱۳۱ سال برابر لڑائی رہی جس کا اوسط یہ ہے کہ ایک سال صلح اور تیرہ برس جنگ۔ یورپ میں آخری سو برس کے اندر ۲۸۶ لڑائیاں ہوئیں۔ اسی طرح مسٹر ویلرٹ (Vallurt) لکھتا ہے کہ سنہ ۱۵۰۰ قبل مسیح سے سنہ ۱۸۶۰ء تک یعنی ۳۳۶۰ برسوں میں آٹھ ہزار صلح کے عہدنامے ہوئے، اس غرض سے کہ ان کا نفاذ ہمیشہ رہے گا، مگر اوسط یہ رہا کہ دو برس سے زیادہ کوئی صلحنامہ قائم نہ رہا۔

صاحبو۔ اس جنگ میں باوجودیکہ برطانیہ ۱۵ کروڑ روپیہ یومیہ خرچ کر رہا ہے، مگر اس کی مالی حالت ایسی عمدہ ہے کہ بیلجیم اور سربیا کو اس نے قرضہ دیا ہے اور پانچ برس تک لڑائی اگر قائم رہی تو برطانیہ کو روپیہ کی کمی نہیں ہو سکتی اور اس کا اعتبار اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ احمد آباد میں جو جرمن نظر بند ہیں انھوں نے سرکاری سیونگ بینک میں اپنا اپنا حساب کھولا ہے اور وہاں اپنا روپیہ جمع کر رکھے ہیں۔ نیز برطانیہ کو رسد اور سامان جنگ

کی بھی کمی کسی طرح نہیں ہے۔ اُن کے لیئے سب راستے کھلے ہوئے ہیں۔ جرمنی میں تانبے کا قحط ہے اور وہ چلّا رہا ہے کہ راستے بند ہو جانے سے ساڑھے سات کروڑ جرمن رعایا کو غلّہ کے فقدان سے تکلیف اٹھانے کا بہت بڑا اندیشہ ہے تا۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

صاحبو۔ جنگ کے شروع میں مسٹر Redmond نے پارلیمنٹ میں کہا کہ آئرلینڈ اپنی حفاظت خود کریگا۔ اس کی حفاظت کے واسطے برٹش فوج کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں کسی فتنہ و فساد کا اندیشہ نہیں ہے اور وہ خود اپنی حفاظت کریگا۔ کیونکہ گورنمنٹ کا برتاؤ ایسا عدل و انصاف اور رعایا پروری کا ہے کہ جس قدر رعایا ہے وہ گویا بجائے فوج کے ہے جو بوقت ضرورت دشمنوں کا مقابلہ کر سکتی ہے۔

جنگ بحری و بری و ہوائی میں برٹش کی فتح

ہماری گورنمنٹ نے بمقابلہ جرمنی کے جنگ بحری میں بہت بڑی فتح حاصل کی یعنی Falkland Island پر جنرل اور امیر البحر Sturdia نے جو اپنے وقت کا Nelson سمجھا جاتا ہے، نمایاں فتح پائی اور خشکی کی لڑائی میں حال کی فتح نیوچیپل کی جنگ سخت میں حاصل کی جو ۱۰ مارچ ۱۹۱۵ء کو ہوئی۔ جس میں ۲۰ ہزار جرمن مارے گئے اور ایک ہزار قید ہوئے۔ اس لڑائی میں ہندوستانی فوج شریک تھی۔ سر جان فرینچ نے جو برٹش افواج کے قائد اعظم ہیں حضور والیسرا کو فوج ہندی کی کارگذاری کی تعریف لکھی ہے۔ اس لڑائی میں برٹش توپوں نے بڑے عمدہ نشانے لگائے جس سے سخت نقصان دشمنوں کو

پہونچا اور برٹش کا نقصان بہت کم ہوا۔ اس کی تصدیق قیدیوں کے بیان سے ہوتی ہے۔ اس جنگ میں توپیں سر ہوئیں گراب پھوٹے اور گولے پھٹے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوہ آتش فشاں پھٹ گیا ہے اور زمین زلزلہ میں آگئی ہے اور بجلیاں گر رہی ہیں اور بادل گرج رہے ہیں۔ نیو مونٹ کی گولہ باری کے بعد دھاوا کیا گیا، تو جرمن ایسے بھاگے کہ سوا ایک جگہ کے کہیں مقابلہ نہ کیا اور ان کے سب مورچے اڑا دیے گئے اور کشتوں کے پشتے لگ گئے۔

رہی جب نہ زنہار تاب ستیز — تو لی واں سے جرمن نے راہ گریز
سپاہ مخالف گریزاں ہوئی — بیاباں میں یکسر پریشاں ہوئی
ہوئے کشتہ بس جرمنی یاں تلک — کہ کشتوں کے پشتے لگے تا فلک
کیا ایسا برٹش نے جرمن کو تنگ — کہ ہرگز رہا پھر نہ یارائے جنگ
ہوا جمع توپوں کا ایسا دھواں — بنا آسماں اک تہ آسماں

۲۴ فروری ۱۵ء کو ایک ہوائی جنگ ہوئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سمندر کی طرح ہوا پر بھی برٹش کا قبضہ ہو جائے گا۔ ۳۴ برٹش طیاروں نے Ostend Zebrugge اور Blankenburg مقامات پر حملہ کیا اور جرمن کو سخت نقصان پہونچایا۔ جس وقت برٹش جہاز سمندر سے ہوا میں اڑتے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ سطح دریا سے بڑی بڑی چڑیوں کے جھنڈ ہوا میں اڑتے چلے آتے ہیں۔

صاحبان! چھوٹے چھوٹے افسروں اور کمسن لڑکوں کی بہادری سنیے۔ کیمبرج یونیورسٹی کا ایک انڈر گریجویٹ، جو کمسن تھا، برٹش فوج کے ہمراہ تین ہفتے گذرے رن میں آیا۔ اس کا عہدہ فوج میں Subaltern تھا اس کو حکم دیا گیا کہ جرمن

کے فلاں فلاں مورچے فتح کرو۔ اس نوجوان نے سات مرتبہ متواتر حملے کیے۔ بالآخر سب مورچے فتح کر لیے اور فوج جرمن کو وہاں سے نکال دیا۔ اُس کی عقل اُس کی عمر سے بہت زیادہ تھی۔ فتح کرنے کے بعد مورچوں سے سو گز ہٹ کر اُس نے قیام کیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سب مورچے سرنگ سے اڑا دیے گئے وہ اور اُس کی ساری فوج صاف کوری بچ گئی۔ غور کیجیے کس قدر دور اندیشی کا کام تھا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جرمن کی فوج برٹش کے مقابلہ میں تعداد میں بہت زیادہ ہے، لہٰذا اُس کا فتح کرنا اور اُس کے مقابلہ میں سر بر ہونا برٹش کے لیے مشکل ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ واضح ہو کہ لڑائی میں میدان جنگ میں Brute force یعنی کا زوری کام نہیں دیتی بلکہ جس میں Moral force زیادہ ہوتا ہے وہ کامیاب ہوتا ہے۔ پلاسی کی لڑائی میں تین ہزار برٹش اور ہندوستانی فوج نے سراج الدولہ کی اسی ہزار فوج کو شکست فاحش دی۔ جنگ اسائی میں پانچ ہزار برٹش فوج نے پچاس ہزار فوج کو بھگا دیا۔ ایک مقام پر چار ہزار برٹش فوج نے تیس ہزار فوج دشمن کو ہلاک کر دیا۔ غدر میں چالیس ہزار برٹش فوج نے دو لاکھ باغیوں کی قواعد داں اور بہادر فوج کو فتح کر لیا۔ اس جنگ میں جو درپیش ہے برٹش کے مقابلہ میں دشمن کی فوج چوگنی، پانچ گنی، چھ گنی تک آ جاتی ہے، مگر برٹش فوج کی "اخلاقی قوت" کے سامنے اس کی ایک نہیں چلنے پاتی۔ اسی طرح ۱۸۰۵ء میں نپولین کی ۷۰ ہزار فوج نے آسٹریا اور سرڈینیا کی ۸۰ ہزار فوج کو فتح کر لیا تھا اور ساٹھ ہزار فوج سے لاکھ فوج جرار کو اس نے Austirlitz کے مقام پر شکست دی تھی۔ نپولین پانچ لاکھ فوج لے کر ماسکو کی مہم پر گیا، تو شکست فاحش کھائی۔

حال افسروں کا ہے۔ ڈیوک ویلنگٹن Moral force کام میں لاتا تھا اور ہمیشہ کامیاب ہوتا تھا۔ اس مارل فورس کا اثر جولیس سیزر سے لے کر لارڈ نیپیر (Napier) تک ہر بڑے جنرل نے تسلیم کیا ہے اور یہ مارل فورس لشکر انگریزی اور اُس کے افسروں میں بہت زیادہ پایا جاتا ہے اور جرمن فوج میں اس کی کمی بہت زیادہ ہے اس لئے برٹش کی فتح یقینی ہے۔

<u>وار فنڈ اور رنگروٹ</u> | صاحبان والا شان۔ ہم لوگ کاندھے پر بندوق رکھ کر نہیں لڑ سکتے لیکن روپیہ سے مدد کر سکتے ہیں۔ ع گر زرداری بزور محتاج نہ۔ ایسے نازک وقت میں ہم کو لازم ہے کہ ہم وار فنڈ میں شریک ہو کر اپنے حکام انگریزی اور برٹش گورنمنٹ پر پورا بھروسا کریں جو ہماری جان و مال اور بال بچوں کی پوری محافظ ہے۔ یہ صرف برٹش گورنمنٹ کی بدولت ہے کہ ہم لوگ آرام کی نیند سوتے ہیں ورنہ بلجیم کی ایسی حالت یہاں بھی ہو سکتی ہے کہ آج جو امیر ہے وہ کل فقیر نظر آئے۔ پس ہم کو اپنے ملک کو بچانے کے واسطے اور اپنی جان و مال و آبرو کو محفوظ رکھنے کے لئے گورنمنٹ کی مدد روپیہ اور رنگروٹوں سے کرنی چاہیے۔ تاکہ اس جنگ کے خاتمہ پر جو جلد فتح کے ساتھ ہونے والا ہے ہم ان نعمتوں اور برکتوں میں شریک ہوں جو ملنے والی ہیں۔ سو برس کا عرصہ ہوا کہ برطانیہ نے یورپ کو نپولین کے حملوں سے بچایا اور اس وقت بھی برطانیہ نے جرمن کو ایک محدود رقبہ کے اندر رکھا ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم روپیہ اور رنگروٹوں سے گورنمنٹ کو مدد دے کر اپنی جاں نثاری اور شکر گذاری کا ثبوت دیں۔ تاکہ اس جنگ عظیم کا خاتمہ برطانیہ کی فتح پر ہو اور ہم جلد ان نعمتوں میں شریک ہوں جو مستقل صلح سے ہم کو حاصل ہونے والی ہیں

جنگ عظیم پہ پہلا لکچر
(تحریری)

جنگ عظیم کے اصلی اور ظاہری اسباب اور متحاربین کے باہمی تعلقات قدیم و جدید

یہ عالمگیر لڑائی جو جرمنی، آسٹریا اور ٹرکی بمقابلہ روس، برطانیہ اور فرانس کے لڑ رہے ہیں۔ مدبرین یورپ کی رائے میں ناگزیر تھی جس کے واقع ہونے کا اندیشہ بیس برس سے تھا۔ جس طرح گھنگھور گھٹا چھائی ہو، بجلی چمک رہی ہو اور بادل گرج رہے ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ مینہ برسنے والا ہے اسی طرح یورپ کے بادشاہوں کا اپنی اپنی فوجیں بڑھانا اور لڑائی کا سامان جمع کرنا بتا رہا تھا کہ یقیناً کسی وقت یورپ میں لڑائی کی آگ بھڑک اٹھے گی۔ جنگ سے دو مہینہ پیشتر امید کی جاتی تھی کہ لڑائی یکایک نہ ہوگی۔ کیونکہ بلقان میں جو لڑائی کا گھر تھا صلح ہو چکی تھی اور سر ایڈورڈ گرے کی یہ کوشش کہ بلقان کے معاملات پر یورپ کے بادشاہوں میں لڑائی نہ چھڑ جائے، بظاہر کامیاب ہو گئی تھی۔ لیکن صلح پسند لوگوں کی یہ کوششیں اور امیدیں سب بیکار گئیں، جب کہ

۲۸ جون سنہ ۱۴ء کو آرچ ڈیوک فرڈی نینڈ، ولی عہد آسٹریا مع اپنی بیگم کے بوسنیا کے دارالسلطنت سراجوو میں قتل کیے گئے۔ یہ خون ناحق بغیر بدلہ لیے کیونکر مان سکتا تھا، بلکہ پکار پکار کر اپنا خونبہا چاہتا تھا اور زبان حال سے یہ کہتا تھا ؎

قریب آتا ہے روزِ محشر چھپے گا احوالِ قتل کیونکر
جو چُپ رہے گی زبانِ خنجر تو خوں پکارے گا آستیں کا

قاتل ایک نوجوان طالب علم بوسینیا کا رہنے والا تھا۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ قتل ایک سازش کا نتیجہ تھا جو سرویا میں ہو رہی تھی۔ آسٹریا کی گورنمنٹ کو سرویا سے بہت ملال ہوا اور اُس نے ۲۳ جولائی ۱۹۱۴ء کو ایک الٹی میٹم (پیامِ جنگ) سرویا کو بھیجا جس میں چند مطالبات کیے جو اس قسم کے تھے کہ سرویا میں جو سازشیں آسٹریا کے خلاف ہوا کرتی ہیں وہ بند کی جائیں اور سازش کرنے والوں کو سخت سزائیں دی جائیں (وغیرہ) اور تمام مطالبات کی تعمیل چند گھنٹوں کے اندر بلا عذر و تنقید چاہی اور کوئی موقع غور اور مشورہ وغیرہ کا سرویا کو نہیں دیا۔ یہ مطالبات ایسے تھے کہ کوئی معزز اور خوددار قوم ان کو گوارا نہ کرے گی۔ سرویا نے اکثر شرطیں منظور کیں لیکن بعض کے منظور کرنے سے انکار کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آسٹریا نے ۲۸ جولائی ۱۹۱۴ء کو سرویا کے مقابل میں اعلانِ جنگ کر دیا۔ اصل میں آسٹریا نے اپنے مطالبات کی شرطیں اس غرض سے نہایت سخت رکھی تھیں کہ سرویا اُن کو قبول نہ کرے اور لڑائی چھڑ جائے۔ وہی ہوا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ جرمنی مجھ کو مدد دے گا اور روس و برطانیہ اور فرانس ایسی حالت میں ہیں کہ دخل نہ دیں گے۔ برٹش قوم آئرلینڈ کے معاملات سے خانہ جنگی کا اندیشہ کر رہی تھی۔ فرانس خود اقبال کر چکا تھا کہ ہماری فوج لڑائی کے لئے تیار نہیں ہے اور روس میں جہاز بنانے والے کاریگروں کی ایسی

ہڑتال ہو رہی تھی کہ اس سے اندیشہ ہوتا تھا کہ مبادا ملک میں کوئی انقلاب ہو جائے
دوسرے یہ کہ جاپان سے شکست کھانے کے بعد روس نے پورا سنبھالا ابھی
نہیں لیا تھا۔ پس یہ موقع آسٹریا نے خوب مناسب سمجھا کہ بلقان کے معاملات
اپنی دلی خواہش کے مطابق طے کر لے اور اپنے ولیعہد کے قتل کو جس کے باعث
تمام یورپ آسٹریا کا ہمدرد بن گیا تھا، لڑائی کی ایک معقول وجہ قرار دے۔
جرمنی پہلے کہہ چکا تھا کہ میں کسی بادشاہ کو آسٹریا کے معاملات میں دخل
نہ دینے دوں گا مگر باوجود اس کے ۲۹ جولائی ۱۹۱۴ء کو روس نے اپنی فوجوں
کو جمع کیا۔ یہ دیکھ کر جرمنی نے ۳۱ جولائی کو روس کو الٹی میٹم یعنی پیام جنگ بھیجا
اور یکم اگست ۱۹۱۴ء کو اشتہار جنگ روس کے مقابلہ میں دیدیا۔ اسی طرح
جرمنی نے فرانس کو بھی ایک پیام جنگ بھیجا اور جواب کا انتظار نہ کر کے
پہلی اگست کو بغیر اعلان جنگ کے، فرانس پر حملہ کر دیا۔ برطانیہ نے اس اثنا
میں صلح قائم رکھنے کی سخت کوشش کی مگر بیکار گئی۔ البتہ اس کوشش سے
یہ نتیجہ ہوا کہ اٹلی لڑائی میں شامل نہیں ہوا اور ہر فریق سے علیحدہ رہا۔ برطانیہ
کی دوستی فرانس سے تھی اور جب جرمنی نے دھمکی دی اور قانون بین الاقوام
کی پابندی سے منہ موڑا تو برطانیہ کو بیلجیم کے بارے میں اندیشہ ہوا۔ تب برطانیہ نے
فرانس اور جرمنی سے پوچھا کہ بیلجیم کی غیر جانبداری اور عدم شرکت قائم رکھنا
چاہتے ہیں کہ نہیں۔ فرانس نے جواب دیا کہ ہاں، مگر جرمنی نے ٹال دیا اور یہ کہا
کہ اس سوال کا جواب دینے میں ہمارا بھید کھلتا ہے۔ بیلجیم چونکہ جرمنی کا
مقابلہ کی تاب نہ رکھتا تھا، اس نے اپنے آپ کو بچانے کے واسطے برطانیہ

سے مدد کی درخواست کی اور یہی مناسب بھی تھا۔

بلا سے من اگر چاہے کوئی پیدا حمایت کم   ہوا گل کر نہیں سکتی چراغ زیر دامن کو

برطانیہ جو ہمیشہ سے انصاف اور آزادی کا حامی اور وعدہ کا سچا رہا ہے مدد پر تیار ہو گیا اور اس نے جرمنی کو الٹی میٹم بھیجا اور ۴ اگست کو لڑائی کا اعلان کر دیا اور اسی دن یعنی ۴ اگست کو جرمن فوج بیلجیم میں داخل ہو گئی۔ گو بیلجیم دہائی دیتا رہا۔

اب ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوں گے کہ:-

(۱) آسٹریا نے جو سرویا پر حملہ کیا اس کے اصلی اور صحیح سبب کیا ہیں (۲) روس نے سرویا کو کیوں مدد دی۔ (۳) جرمنی نے کیوں دخل دیا اور آسٹریا کو کیوں مدد دی۔ (۴) فرانس کیوں روس کا شریک ہوا۔ (۵) اٹلی لڑائی سے کیوں الگ رہا۔ (۶) برطانیہ نے کیوں فرانس کے ساتھ دوستی کی۔ (۷) برطانیہ نے کیوں بیلجیم پر حملہ کرنے کو لڑائی کی وجہ قرار دیا۔

ان سب کا جواب مختصر دینے کے لئے ضرور ہے کہ ان سب ملکوں کے تاریخی حالات اس جنگ عظیم کے پہلے کے بیان کیے جائیں۔

سنہ ۳۰۰ء میں سلطنت روما کی حدود یورپ میں دریائے Rhine اور دریائے ڈینیوب (Danuhs) تھیں Rhine کے پورب اور دریائے ڈینیوب کے اتر میں جرمن یا ٹیوٹانک (Teutonic) فرقے کثرت سے بسے ہوئے تھے۔ جن میں سے بعض فرقے سلطنت روما سے لڑتے رہتے تھے۔ ان جرمن فرقوں کے پورب میں اس نسل کے لوگ رہتے تھے جن کو ہم آج کل

سلیو یا سلیوونک (Slav or Slavonik) کہتے ہیں۔ پس جرمن دونوں فریق یعنی رومن یا سلیو کے درمیان جگہ گھیرے ہوئے تھے۔ چوتھی اور پانچویں صدیوں میں ان جرمن قوموں نے سلطنت روما کے مغربی حصہ میں اُس کی حکومت اور تہذیب کو برباد کردیا۔ جب سے جرمن بیچیم کی طرف بڑھتے گئے بعض سلیو فرقوں نے جرمن کے چھوڑے ہوئے مقامات پر وسط یورپ میں قبضہ کرلیا۔ یہ سلیو فرقے جنوبی مشرقی حصہ یورپ میں بھی آئے اور جزیرہ نمائے بلقان کے بڑے حصہ پر قابض ہو گئے۔ یورپ کی تاریخ اگر نسلوں کے اعتبار سے پچھلے بارہ سو برس کی دیکھی جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ لیٹن فرقے (Romanised celts) جرمن کو پیچھے ہٹاتے گئے اور جرمن فرقے سلیو فرقوں کو وسط یورپ میں فتح کرتے گئے۔ اگر گہری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُسی پرانی لڑائی نے اب اس موجودہ جنگ عظیم کی شکل اختیار کرلی ہے، جس میں لیٹن اور سلیوونک فرقے (Latin and Slavonik) اپنے یکساں دشمن یعنی جرمن کے مقابلہ میں لڑ رہے ہیں اور برطانیہ اعظم جس کو نصف ٹیوٹونک یعنی Semi-Teutonic طاقت کہنا چاہیے کئی وجہ سے جو بیان کی جائیں گی جرمن کے دوستوں سے لڑ رہا ہے۔

آٹھویں صدی عیسوی میں شارلمین بادشاہ فرینکس (Franks) نے مغربی یورپ کے اکثر حصوں کو جو سلطنت روما میں شامل تھے اپنی حکومت میں شامل کرلیا لیکن یہ سلطنت زیادہ دنوں تک قائم نہ رہی

اور ۸۴۳ء میں اُس کے تین حصے ہو گئے۔ ایک حصہ جو فرانس کہلایا شارلمین کے ایک پوتے کو ملا اور دوسرا حصہ دریائے راین کے پورب کی طرف جس کو ہم جرمنی کہہ سکتے ہیں دوسرے پوتے نے پایا اور تیسرا حصہ درمیانی جو دریائے جرمن سے میڈی ٹرینین (Mediterranean) تک چلا گیا ہے اور اسے لاسپیل اور روما کو شامل ہے سب سے بڑے پوتے کے حصہ میں آیا۔ پہلا اور تیسرا حصہ تو ہمجنس تھا لیکن درمیانی حصہ کچھ جنسیت نہ رکھتا تھا۔ یہ درمیانی سلطنت تین حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ اٹلی برگنڈی اور تھرنجیا، جو اپنے حاکم لوتھر (Luther) کے نام سے موسوم ہوا۔ جو مقام Lorraine (لورین) کہلاتا ہے اسی پرانے تھرنجیا (Thuringia) کا پہلے ایک چھوٹا حصہ تھا۔ پس یہ کہنا چاہیے کہ ایک ہزار سال گذشتہ سے جو لڑائیاں ان دونوں بیرونی سلطنتوں یعنی جرمن اور فرانس میں ہو رہی ہیں وہ اسی غرض سے ہو رہی ہیں کہ اس درمیانی حصہ کے مقامات فتح کریں اور خصوصاً (Thuringia) تھرنجیا پر قبضہ حاصل کریں۔

زمانہ متوسط میں فرانس رفتہ رفتہ اتفاق کے باعث زیادہ طاقتور ہو گیا اور جرمنی کئی وجوں سے اتفاق نہ رکھ سکا اور کمزور ہو گیا۔ پھر جرمنی کچھ عرصہ کے لئے جیت گیا اور اُس نے کل درمیانی سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ لیکن فرانس نے اپنی حکومت بڑھاتے بڑھاتے اس درمیانی سلطنت میں جس قدر فرینچ بولنے والی قومیں تھیں سب کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا اور جرمنی سے اٹلی نکل گیا۔ جرمنی زمانہ متوسط کی پہلی

صدیوں میں پورب کی طرف بڑھا اور سلیو (Slav) فرقوں کو اُس نے فتح کر لیا۔ آسٹریا اور برین ڈن برگ (Brandinburg) جس کو اس وقت پروشیا (Prussia) کہتے ہیں اور زمانہ حال کی سلطنت سکسینی (Saxony) یہ سب اسی سرزمین میں تھے جو جرمنی نے سلیو (Slav) فرقوں سے چھین لی اور اب جرمنی حکومت اور دریاؤ بالٹک سمندر کے کنارے فن لینڈ تک پھیل گیا۔ جب پولینڈ اور بوہیمیا (Bohamia) کی سلیو سلطنتوں نے زور پکڑا تو پورب کی طرف جرمنی کا بڑھنا رک گیا، لیکن سلیو قوم کو دوسری طرف نقصان پہونچا۔ کیونکہ وسط ایشیا کی ایک قوم میگیرز (Magyars) یا ہنگیرین (Hungarians) نے نکل کر اُن کو فتح کر لیا اور وسط یورپ کے میدانی حصوں پر قریب ۹۰۰ء کے قابض ہو گئے۔

جزیرہ نمائے بلقان میں کچھ مدت کے بعد دو سلیو سلطنتوں کی بنیاد پڑ گئی یعنی سرویا اور بلغاریہ کی۔ ان دونوں سلطنتوں نے مع روس کے قسطنطنیہ کے ذریعہ مذہب عیسوی اختیار کیا۔ گریک چرچ یعنی یونانی طریقہ مذہب کے پابند ہوئے اور رومن چرچ یعنی رومیوں کے طریقہ مذہب کے پیرو نہ بنے۔ ان میں سے کبھی ایک نے کبھی دوسرے نے سلطنت روما کے پوربی حصہ کو دبا لیا، لیکن جس طرح اس وقت ایک دوسرے کے دشمن ہیں اسی طرح اُس وقت بھی اُن کے باہم نااتفاقی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترکوں نے چودھویں صدی میں اُن کو فتح کر لیا۔ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد ترکوں نے اُتر کی طرف قدم بڑھایا اور سولھویں صدی میں

ہنگری کا بہت سا حصہ فتح کرکے اکثر سلیو (Slav) فرقوں کو اپنی رعایا بنا لیا۔

زمانہ حال میں یورپ میں فرانس اور جرمنی کی دشمنی نے کچھ دوسرا پہلو اختیار کیا ہے، جب سے کہ آٹھویں چارلس بادشاہ فرانس نے ۱۴۹۴ء میں اٹلی پر حملہ کیا۔ یہ ایسی مہم تھی کہ جس نے فرانس کو اسپین سے لڑا دیا جو اس وقت سسلی پر قابض تھا۔ اٹلی پر حملہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس اور سلطنت ہیپسبرگ (Hapsburg) کے باہم ڈھائی سو برس لڑائی چھڑی رہی۔ آسٹریا کے آرچ ڈیوک کچھ مدت تک جرمنی یا یوں کہنا چاہیے کہ سلطنت روما کے شہنشاہ منتخب ہوتے رہے اور پھر اُن کی شادیاں ایسے شاہی خاندانوں میں ہوئیں کہ ان تعلقات سے نیدرلینڈز (Netherlands) نیپلس (Naples) بوہیمیا (Bohamia) اور وہ حصہ ہنگری کا جو ترکوں کے قبضہ سے بچا ہوا تھا، یہ سب اُن کے قبضہ میں آ گئے۔ فرانس اٹلی پر قابض نہ رہ سکا اور ملبارڈی پر خاندان ہیپسبرگ (Hapsburg) کا قبضہ ہو گیا جو ساڑھے تین سو برس تک قائم رہا۔ پانچواں چارلس جو خاندان Hapsburg میں سب سے بڑا بادشاہ گذرا ہے چارلس دی بولڈ (Charles the Bold) ڈیوک آف برگنڈی (Duke of Burgandy) کا پرپوتا تھا اور اس کو نیدرلینڈز (Netherlands) ورثہ میں ملا اور جو پرانی لڑائی ڈیوکس آف برگنڈی (Dukes of Burgandy) اور شاہان فرانس میں چلی آتی تھی وہ بھی گویا اس کی وراثت میں آ گئی۔

۱۵۵۶ء میں جب چارلس پنجم تخت سے دست بردار ہوا تو اس خاندان کے سب جرمنی علاقے اس کے بھائی فرڈی نینڈ (Ferdinand) کو ملے اور ان کے ساتھ شہنشاہ کا خطاب بھی۔ باقی سلطنت اس کے بیٹے فلپ دوم شاہ اسپین کے قبضہ میں آئی۔ لیکن اس خاندان Hapsburg کی دونوں شاخیں ملی جلی رہیں اور فرانس اور اسپین میں جو لڑائیاں سولھویں اور سترھویں صدیوں میں ہوئیں وہ اصل میں اسی پرانی دشمنی کا پہلو لیے ہوئے تھیں، جو فرانس اور جرمنی میں چلی آتی تھی۔

یہاں پر سمجھ لینا چاہیے کہ ملکہ (Elizabeth) الیزبیتھ کے وقت میں انگلستان اور اسپین کے باہم جو سخت لڑائیاں ہوئیں ان کا سبب یہی تھا کہ اسپین کے قبضہ میں نیدرلینڈز (Netherlands) تھا جس کو زمانہ حال میں ہالینڈ اور بلجیم کہتے ہیں۔ انگلستان نیدرلینڈز سے بہت کچھ واسطہ رکھتا تھا۔ اور خاص کر فلینڈرز (Flanders) جو نیدرلینڈز انٹورپ (Antwerp) کو شامل ہے، تجارت کی غرض سے انگلستان اور فلینڈرز کے بڑے بڑے شہروں میں ہمیشہ دوستی رہتی تھی۔ چودھویں صدی میں تیسرے ایڈورڈ نے فرانس کے خلاف Flemish شہروں سے دوستی کے عہد نامے لیے اور پندرھویں صدی کے آخر میں چوتھے ایڈورڈ نے چارلس دی بولڈ (Charles the Bold) کو جس کے قبضہ میں فلینڈرز تھا گیارھویں لوئی شہنشاہ فرانس کے مقابلہ میں مدد دی۔ نپولین بوناپارٹ کا قول تھا کہ اگر کسی بحری طاقت رکھنے والے بادشاہ کے قبضہ میں انٹورپ آیا

(Antwerp) ہو تو گویا انگلستان کے سر پر ایک بھرا ہوا پستول ہے اس لئے ضرور تھا کہ جب برطانیہ اور اسپین میں جنگ ہو تو برطانیہ یہ پسند کرے کہ نیدرلینڈز میں بغاوت ہو اور ڈچ قوم کو آزادی حاصل کرنے میں مدد دے۔ یہی عمل انگلستان کی طرف سے ہوا تھا۔ تب ہی اسپین کے Invincible Armada نے انگلستان پر حملہ کیا تھا۔ جب اسپین کی قوت گھٹ گئی تو برطانیہ نے بھی اپنی پالیسی بدل دی۔ اس وقت فرانس کی طاقت ایسی بڑھ گئی تھی کہ خطرناک ہو گیا تھا۔ پس برطانیہ اور فرانس کے باہم جو سخت لڑائیاں سترھویں اور اٹھارھویں صدیوں کے آخر میں ہوئیں وہ زیادہ تر اسی غرض سے ہوئی تھیں کہ نیدرلینڈز فرانس کے قبضہ میں نہ آ جائے۔

سولھویں اور سترھویں صدیوں میں فرانس نے باوجودیکہ وہ خود کیتھولک تھا، پروٹسٹنٹ مذہب کا طرفدار ہو کر جرمنی کی مذہبی لڑائیوں میں دخل دیا اور وہ درمیانی سلطنت جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اس کا کچھ اور حصہ حاصل کر لیا۔ بعض مقامات پر تو فرنچ زبان بولنے والے تھے باقی سب خصوصاً السس (Alsace) خالص جرمنی تھے۔ چودھویں لوئی نے سترھویں صدی کے نصف آخر میں بہت مضبوط ارادہ کر لیا تھا کہ جو حدود قدیم گال کی تھیں وہی نئی سلطنت فرانس کی حدود قائم کرے اور غالباً وہ دریائے راین (Rhine) کو فرانس کی سرحد قرار دینے میں کامیاب بھی ہو جاتا بشرطیکہ ولیم آف آرنج اور برطانیہ نے اس کو روکا نہ ہوتا

چودھویں لوئی کو اس کوشش میں ناکامی ہوئی اور اسپین کی تخت نشینی کی جنگ جو پیش آئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسپین کے جو علاقے اٹلی میں تھے اور نیدرلینڈز یہ سب اسپین سے نکل کر آسٹریا کے قبضہ میں چلے گئے۔ اس وقت اسپین کا وہی بادشاہ تھا جو اسی چودھویں لوئی کا پوتا تھا اسی تاریخ سے آسٹریا کا اقتدار اٹلی میں کامل طور پر ہو گیا اور بلجیم کی طرف سے جس کو اب آسٹرین نیدرلینڈز (Austrian Netherlands) کہنا چاہیے کچھ عرصہ کے لئے برطانیہ کو اطمینان ہو گیا۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں آسٹریا نے ترکوں کو ہنگری سے باہر نکال کر دریائے ڈینیوب کے پار ان کو ہٹا دیا۔ ایک طرف ان نئی فتوحات کے ذریعہ اور دوسری طرف اٹھارھویں صدی کے آخر میں پولینڈ (Poland) کے تقسیم ہونے سے جو حصہ آسٹریا میں شامل ہوا، ان دونوں وجہوں سے سلیو یا سلیوونک (Slav or Slavonik) نسل کی رعایا کا بہت بڑا حصہ آسٹریا کی سلطنت میں شامل ہو گیا۔ اس وقت میں پروشیا (Prussia) کی طاقت کو فروغ ہوا اور فریڈرک اعظم کے عہد میں آسٹریا کا اقتدار جرمنی میں کم ہو گیا اور صوبہ سلیشیا (Silieia) آسٹریا کے ہاتھ سے نکل گیا۔

فرانس کے انقلاب کے بعد جو لڑائیاں ہوئیں ان میں فرانس نے تھوڑے عرصہ کے واسطے وہ بات حاصل کر لی جو چودھویں لوئی کے مقصد میں رہتی تھی۔ یعنی بلجیم، ہالینڈ اور دریائے Rhine کو پایاں کنا

فتح کرلیا۔ جب یہ برطانیہ نے دیکھا کہ فرانس اپنی سلطنت میں بیلجیم، ہالینڈ کو ملانے والا ہے تو وہ جنگ پر آمادہ ہوگیا۔ نپولین کے زوال کے بعد وائنا کانگریس کے فیصلہ سے یورپ کا نقشہ بدل گیا اور حسب ذیل چار تبدیلیاں ظہور میں آئیں۔

(الف) پروشیا نے بڑے بڑے جرمن مقبوضات پائے۔ جن میں دریائے Rhine کے صوبے شامل تھے (ب) بیلجیم آسٹریا سے چھڑا کر سلطنت نیدرلینڈز میں ہالینڈ سے ملا دیا گیا تاکہ فرانس کا مقابلہ کرسکے۔ (ج) آسٹریا کو لمبارڈی وینشیا (Venitia) اسٹریا (Istria) اور ڈالمیشیا (Dalmatia) مل گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرمن نسل کی رعایا آسٹریا سے کم ہوگئی اور اٹیلین اور سلیوونک (Italian and Slavonik) فرقے پہلے سے بہت زیادہ اس میں بڑھ گئے۔ (د) جرمنی ۳۸ صوبوں یا ریاستوں کا مجموعہ قرار دیا گیا۔ نپولین نے بلا علم و ارادہ جرمنی کے حق میں بڑا فائدہ پہونچایا ۱۸۰۳ء میں اس کی حمایت میں ڈھائی سو سے زیادہ چھوٹی چھوٹی جرمن ریاستیں نیست و نابود ہوگئیں۔ اس طرح کہ چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستوں کو ملاکر ایک بڑی سلطنت بنادی گئی جو شہر آزادی کے حقوق رکھتے تھے وہ بڑی ریاستوں سے ملحق کردیئے گئے اور جن ریاستوں کا تعلق مذہبی جماعتوں سے تھا وہ ان سے نکال کر عام رعایا سے متعلق کردی گئیں اور آس پاس کے صوبوں میں شامل کردی گئیں۔ یہ

کام جو نپولین نے کیا تھا اُس کو دا ئنا کانگریس نے بلا تغیر ویسا ہی
رہنے دیا اور اس مجموعی طاقت نے جب زور پکڑا تو متحد سلطنت
جرمنی قائم ہو گئی۔

سلطنت نیدرلینڈز کے متعلق وائنا کانگریس نے جو انتظام کیا تھا وہ
اچھی طرح چل نہ سکا اور ۱۸۳۰ء میں اہل بیلجیم نے بغاوت کی جس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ بڑے بڑے بادشاہان یورپ نے بیچ میں پڑ کر بیلجیم کی خود مختاری
اور آزادی کو تسلیم کر لیا۔ بیلجیم کا لبرل فرقہ تو یہ پسند کر لیتا کہ بیلجیم کو فرانس
میں شامل کر دیا جائے، مگر اس میں پھر لڑائی کی آگ یورپ میں بھڑک
اٹھتی ہے آخر کار یہ طے ہوا کہ بیلجیم ایک بادشاہ کی حکومت میں رہے اور پانچ
بڑے بڑے بادشاہان یورپ ذمہ دار رہیں کہ ریاست خود مختار اور لڑائی کے
وقت سب سے علیحدہ اور بے تعلق رہے گی اور فرانس اور برطانیہ کی فوج
بری اور بحری نے ہالینڈ پر دباؤ ڈال کر یہ فیصلہ تسلیم کرا لیا۔ بیلجیم کی یہ حالت
آخر جولائی ۱۹۱۴ء تک بدستور قائم رہی۔ جب ۱۸۷۰ء میں فرانس اور
جرمنی میں لڑائی چھڑی تو دونوں فریق نے برطانیہ کو یقین دلایا کہ
اس لڑائی میں بیلجیم سے کوئی تعلق اور واسطہ نہ رہے گا۔ اور یہ وعدہ
پورا کیا گیا اُس وقت سے یہ اندیشہ کیا جاتا تھا کہ اگر دوبارہ جنگ
ہوئی تو جرمنی کو اس وعدہ پر عمل کرنا دشوار ہو جائے گا چنانچہ اس
موجودہ لڑائی میں وہ اندیشہ صحیح ثابت ہوا۔

انیسویں صدی کے وسط میں آسٹریا اور پروشیا (Prussia) میں

دشمنی بڑھ گئی ۱۸۵۹ء میں آسٹریا کو بہت بڑا صدمہ پہونچا۔ اٹلی نے آسٹریا کی حکومت سے بغاوت کی جس کا سرگروہ بادشاہ سرڈینیا (Sardinia) تھا۔ وکٹر ایمانیول بادشاہ سرڈینیا اور کونٹ کیوُر (Cavour) اٹلی کے مدبّر اعظم نے نیپولین سوم شہنشاہ فرانس سے مدد حاصل کر لی اور ۱۸۵۹ء میں آسٹریا کو شکست دے کر لمبارڈی چھین لیا۔ اس شکست کے ہوتے ہی جس قدر چھوٹے چھوٹے والیان ریاست جزیرہ نمائے اٹلی میں آسٹریا کے بھروسے پر حکومت کرتے تھے بے اختیار کر دیے گئے اور اٹلی کی سلطنت موجودہ عالم وجود میں آ گئی۔ اس مدد کے صلہ میں فرانس کو دو صوبے سیوائے اور نیس (Savoy and Nice) ہاتھ آئے جو اٹلی مذکورہ بالا سلطنت وسطیٰ کا حصہ تھے۔

اسی زمانہ میں پروشیا (Prussia) میں ۱۹ صدی کا ایک نہایت مشہور و معروف وزیر باتدبیر بسمارک نام آسمان شہرت پر آفتاب کی طرح چمکا۔ یہ وہ فرزانہ یورپ تھا جس نے شاندار سلطنت جرمنی بنائی یہ وزیر کبیر بے نظیر کنزرویٹیو (Conservative) تھا اور لبرل خیالات اور حکومت دستوری کا سخت دشمن تھا۔ صرف دو خیال اُس کے ذہن میں رہتے تھے۔ ایک یہ کہ سلطنت شخصی کا اقتدار برقرار رہے اور پروشیا (Prussia) کا جاہ و جلال بڑھتا رہے۔ اس کا ارادہ نہایت مضبوط و ہمت نہایت بلند تھی۔ عقل کا نہایت تیز اور تدبیر کا بڑا گاڑھا تھا لیکن اپنی تدبیروں پر عمل کرنے میں جائز یا ناجائز وسیلوں کی زیادہ

پرواہ نہ کرتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ جرمنی میں آسٹریا اور پروشیا دونوں
کے لیے کافی جگہ نہیں ہے۔ ع۔ بہ ملکے نہ گنجند دو بادشاہ۔ پس درمیان
سے آسٹریا کو ہٹا دینا چاہیے۔ آسٹریا کو دبانے کے واسطے فوج کی ضرورت
تھی اور ایسی فوج مہیا کرنے کے لئے ضرور ہوا کہ پروشیا کی پارلیمنٹ
کی مرضی کے خلاف عمل کیا جائے۔ ہر چند کہ مخالفت بہت ہوئی مگر
بسمارک نے اپنے مطلب میں کامیابی حاصل کر لی۔ ڈنمارک کے قبضہ میں
دو ڈچی تھیں۔ یعنی Schleswig and Holslain۔ ان دونوں
کو پروشیا کے واسطے لینے کا خواہشمند بسمارک بہت زیادہ تھا۔ اس
معاملہ پر جرمنی میں اس وقت لوگوں کو بہت سرگرمی تھی۔ بسمارک نے
آسٹریا کو ترغیب دی کہ شریک ہو کر دونوں ڈنمارک پر حملہ کریں چنانچہ
یہ حملہ ہوا اور یہ دونوں مقامات ڈنمارک سے جدا کر لیے گئے۔ اب
نہایت چالاکی سے بسمارک نے فتح کیے ہوئے مقامات کی بٹائی پر آسٹریا
سے جھگڑا کیا۔ اس وقت پروشیا کی فوج تیار تھی اور اُس کے پاس برچ
لوڈ بندوقیں تھیں اور مشہور جنرل مولٹکی (Moltke) فوج کا سردار تھا
گو اکثر جرمن ریاستیں اس موقع پر آسٹریا سے مل گئیں لیکن پروشیا
سے سر بر نہ ہو سکیں اور ۱۸۶۶ء میں سات ہفتہ کے عرصہ میں آسٹریا کو پناہ
مانگنا پڑی۔ آسٹریا کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا گیا۔ وینیشیا (Venitia)
اٹلی کو دلا دیا گیا کیونکہ وہ پروشیا کا دوست تھا اور جرمنی کے حدود سے
باہر نکال دیا گیا۔ لیکن جو اس کے مقبوضات جرمنی میں تھے وہ چھینے نہیں

اب پروشیا نے ذیل کے مقامات شامل کرکے جرمنی کی مجموعی طاقت
کو خوب مضبوط کرلیا Schleswig, Holslain, Hanover,
Hisse-Cassel, Hisse-Nassan and Frankfort,
اور دوسرے سال یعنی ۱۸۶۷ء میں جنوبی جرمن ریاستوں سے دوستی کے
عہد و پیمان کیے جن میں آسٹریا سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اب آسٹریا کو کوئی
چارہ نہ رہا۔ بجز اس کے کہ وہ مشرقی یورپ کی طرف توجہ کرے۔

اب فرانس کی باری آئی۔ بسمارک نے لوئی نپولین شہنشاہ فرانس
کو پورا بیوقوف بنایا۔ اس نے دیکھا کہ فرانس کو پروشیا کا طرفدار بنانے
میں پروشیا کا فائدہ ہے اور خود شہنشاہ فرانس سے ملاقاتیں کرکے اس
کو اپنا مددگار بنالیا۔ نپولین کیا سمجھا کہ پروشیا کی طاقت جس قدر
بڑھے گی، اسی قدر آسٹریا کا مدمقابل ہوکر اس کو کمزور کردے گا۔ اس
کے سوا بسمارک نے اس کو امیدیں دلائیں اور وعدے کیے کہ پروشیا
اور آسٹریا کی لڑائی میں اگر فرانس دخل نہ دے تو اس کو معاوضہ میں نیا
ملک ملے گا۔ جب پروشیا اور آسٹریا میں جنگ چھڑ گئی تو فرانس خاموش
رہا۔ شہنشاہ فرانس نے یہ امید باندھی کہ جب آسٹریا اور پروشیا لڑتے
لڑتے تھک جائیں گے تب میں بیچ میں پڑوں گا اور معاوضہ میں دریائے
رائین (Rhine) کا بایاں کنارہ لے لوں گا۔ فرانس کی بدبختی سے آسٹریا
اور پروشیا کی جنگ جلد ختم ہوگئی۔ جب تک صلح نہیں ہوئی فرانس اپنا
مطالبہ نہ کرسکا۔ جب اس نے اپنے معاوضہ کا مطالبہ کیا تو بسمارک نے

یہ درخواست نہایت حقارت سے نامنظور کی۔ پہلے شہنشاہ فرانس نے دریائے Rhine کے بائیں کنارہ کا کچھ حصہ چاہا۔ جب یہ نامنظور ہوا تب بیلجیم مانگا اور آخر میں لکسمبرگ کے خریدنے کی اجازت چاہی۔ لیکن کوئی درخواست منظور نہ ہوئی۔ نیپولین نے بیوقوفی سے اپنی یہ درخواستیں اور تجویزیں لکھ کر دیدی تھیں۔ بسمارک نے جنوبی جرمن ریاستوں کو ان تجویزوں سے اطلاع دے کر اُن سے دوستی کے عہد و پیمان کر لیے اور جب فرانس اور جرمنی میں ۱۸۷۰ء میں جنگ ہوئی تو نیپولین کی تحریری درخواست بیلجیم لینے کی مشتہر کر کے برطانیہ کو فرانس کے خلاف کر دیا۔

۱۸۷۰ء میں جو لڑائی فرانس اور جرمنی میں ہوئی وہ اصل میں اسی لڑائی کا قدرتی نتیجہ تھی جو ۱۸۶۶ء میں آسٹریا اور پروشیا میں ہو چکی تھی پروشیا نے جب آسٹریا پر فتح پائی تو اُس کی طاقت بڑھنے لگی اور فرانس کو یہ دیکھ کر خوف پیدا ہوا۔ گو نیپولین خود لڑنا نہیں چاہتا تھا مگر اُس کے دوستوں میں ایک فریق تھا جو یہ خیال کرتا تھا کہ اگر فرانس کو فتح حاصل ہوئی تو نیپولین کے خاندان کی زیادہ مضبوطی ہو جائے گی یعنی اُس کی اولاد کے واسطے فرانس کا تخت محفوظ ہو جائے گا۔ بسمارک خود لڑائی چاہتا تھا تاکہ شمالی جرمن صوبوں کا جو مجموعہ بنا ہے وہ زیادہ مضبوط ہو جائے اور جنوبی جرمن ریاستوں سے جو مدعا ہے ہو سکے یعنی وہ جنگ میں مددگار ہوں۔ نیپولین نے آسٹریا اور اٹلی سے جو پروشیا پر

حملہ کرنا چاہتے تھے، دوستانہ عہد و پیمان کیے تاکہ پروشیا پر حملہ کرنے میں مدد
دیں، لیکن بسمارک نے کہا "تو ڈال ڈال میں پات پات" اور جیسے ہی
فوج کو تیار پایا، دن سے لڑائی چھیڑ دی۔ اس نے وہ ڈھنگ اختیار کیا
کہ سبھوں نے یہ سمجھا کہ فرانس سینگ کر کے لڑتا ہے۔ بسمارک نے ایک سازش
کی، جس کا مقصد یہ تھا کہ ہوہن زولرن (Hohenzollern) شہزادہ
اسپین کے تخت پر بیٹھے۔ وہ خوب جانتا تھا کہ یہ بات فرانس کو ناگوار
گزرے گی۔ اس سازش کا نتیجہ اس کی امید کے خلاف ہوا یعنی اس شہزادے
نے امیدوار بننے سے دست برداری کی، لیکن فرانس نے یہ چاہا کہ شاہ پروشیا
ضمانت کرے کہ دوبارہ وہ شہزادہ تخت اسپین کا امیدوار نہ بنے گا۔ بسمارک
جو لڑائی مول لینا چاہتا تھا یہ سمجھ کے کہ شکار جو میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا
دوبارہ خود بخود پھنس گیا، اس نے یہ سوچا کہ شاید اب بھی لڑائی ٹل جائے
اس لیے ایسی تدبیر کرنا چاہیے کہ لڑائی یقینی ہو جائے۔ فرنچ سفیر نے جو گفتگو
شاہ پروشیا سے بوقت ملاقات ضمانت کے بارہ میں کی تھی، اس ملاقات
کے حالات بسمارک نے نون مرچ لگا کر مشہور کیے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ پروشیا
سمجھا کہ سفیر نے ہمارے بادشاہ کی توہین کی اور فرانس نے یہ خیال کیا
کہ بادشاہ نے ہمارے سفیر کی تحقیر کی۔ دونوں فریق لڑائی پر تل گئے۔
اسی حال میں جب موجودہ قیصر جرمنی اور بسمارک کے باہم رنجش ہوئی
بسمارک کو وزارت چھوڑنا پڑی تو بسمارک فخریہ کہا کرتا تھا کہ میں نہ ہوتا
فرانس سے جنگ نہ ہوتی۔ جب لڑائی چھڑی تو جنوبی جرمن ریاستیں

Baden, Wartemberg, Bavaria وغیرہ سب شمالی جرمن ریاستوں
سے مل کر لڑائی میں پروشیا کی مددگار ہو گئیں اور فرانس کو شکست فاحش
نصیب ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس کی سلطنت کو زوال پہونچا اور نئی متحد سلطنت
جرمنی وجود میں آئی اور بادشاہ پروشیا اُس کا شہنشاہ کہلایا۔ فرانس کو
تین ارب روپیہ تاوان جنگ ادا کرنا پڑا اور صوبجات السس لورین
(Alsace-Lorraine) اس سے چھین گئے۔ السس کے باشندے جرمن
نسل سے ہیں لیکن دونوں صوبے پہلے سے فرینچ کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے
اور گو ۴۳ برس سے فرانس سے جدا ہو کر جرمنی کے قبضہ میں رہے لیکن
بدستور فرانس کے ہمدرد ہیں۔ جس کا سبب بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پروشیا کا
طریقہ حکومت ان کو پسند نہیں ہے۔ یہ دونوں صوبے جرمنی نے فوجی اغراض
کے لئے اپنے قبضہ میں لیے تھے۔ لیکن بموجب اس مقولہ کے کہ "ہنوز چشمش
نگرانست کہ ملکش با دگرانست" جب قوم سامنے دیکھ رہی ہے کہ ہمارا ملک
ہمارا دشمن دبائے بیٹھا ہے، کیونکر اس کے دل میں ملال نہ ہوگا اور غصہ کی
آگ نہ بھڑکے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ۴۳ برس سے اب تک فرانس اور جرمن
میں سخت عداوت چلی آتی ہے اور اسی باعث فرانس اور جرمنی نے
۱۹ صدی کے آخر میں اپنی اپنی فوجیں بہت بڑھا دیں اور سامان جنگ
بہت جمع کیا۔ جرمنی کی اُمید کے خلاف فرانس نے شکست کے بعد بہت جلد
سنبھال لیا۔ ۱۸۷۵ء میں جرمنی پھر فرانس کو دھمکیاں دینے لگا۔ اس وقت
ایسا نازک موقع تھا کہ وکٹوریہ ملکہ انگلستان اور شہنشاہ روس دونوں کو

دخل دینا پڑا۔ چونکہ فرانس کمزور تھا اُس کو یہ خواہش ہوئی کہ کسی زبردست بادشاہ سے دوستی و امداد کا عہد و پیمان کرے جو ضرورت کے وقت پناہ کا کام دے۔ چنانچہ جب ۱۸۹۱ء میں روس نے جرمنی کے مقابلہ میں دوستانہ امداد کا معاہدہ فرانس سے کرنا چاہا تو فرانس کو بیحد خوشی ہوئی۔

اب یہاں سے یورپ کے جنوب مشرق کا حال لکھا جاتا ہے، جہاں کہ ٹرکی کے مقابلہ میں ہرزگوینا (Herzigovina) نے بغاوت کرکے مشرقی مسئلہ کو پھر تازہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے تو سرویا اور ٹرکی میں لڑائی ہوئی اور پھر ۱۸۷۷ء میں روم و روس میں جنگ ظہور میں آئی۔ ٹرکی کو شکست ہوئی اور San Stafano کے عہدنامہ کے ذریعہ روس اور ٹرکی میں صلح ہو گئی۔ تب برطانیہ نے دخل دیا اور روس کو مجبور کیا کہ بادشاہوں کی پنچایت میں یہ عہدنامہ پیش کرے۔ یہ پنچایت برلن میں ۱۸۷۸ء میں ہوئی، جس کا سرپنچ پرنس بسمارک تھا۔ اس پنچایت کا یہ فیصلہ ہوا کہ سرویا، مانٹی نیگرو، رومانیہ آزاد اور خودمختار سلطنتیں کردی گئیں اور بلغاریہ کو سلف گورنمنٹ کا حق دے دیا گیا۔ آسٹریا نے چونکہ ناکی طرفداری نہیں کی تھی اس لئے اس کو یہ بدلہ ملا کہ بوسنیا اور ہرزگوینا قبضہ رکھ کر ان ریاستوں کا انتظام کرے اور سنجاق پر جو سرویا مانٹی نیگرو کے درمیان پرانے سرویا کا ایک ٹکڑا ہے، قابض رہے۔ اب آسٹریا کو ضرور ہوا کہ دو لاکھ فوج رکھ کر اپنے نئے مقبوضات کا انتظام کرے جس کی رعایا زیادہ تر نسل کے اعتبار سے سروین تھی

برلن کانگریس یعنی برلن کی پنچایت کے بعد آسٹریا اور روس میں دشمنی
ہو چلی۔ اس وقت تک بسمارک کے تعلقات جو غیر ملکوں کے ساتھ تھے، وہ
اس اصول پر تھے کہ آسٹریا اور روس دونوں سے دوستی رکھی جائے۔ اب
اُس کو یہ لازم آیا کہ اُن میں سے ایک سے دوستی رکھے۔ چنانچہ اُس نے آسٹریا
سے یہ معاہدہ کیا (۱۸۷۹ء میں) کہ اگر روس آسٹریا پر حملہ کرے تو جرمنی آسٹریا
کا مددگار ہوگا۔ ۱۸۸۲ء میں اٹلی بھی آسٹریا کا شریک ہو گیا اور یوں اتحاد ثلاثہ
قائم ہو گیا۔ بظاہر تعجب معلوم ہوتا ہے کہ اٹلی اپنے دشمن آسٹریا کا شریک ہو [illegible]
لیکن اس وقت اس کو اپنے دوست فرانس کی طرف سے شبہ اور رنج تھا
کیونکہ فرانس نے ٹیونس پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس معاہدے میں جو آسٹریا اور
اٹلی کے درمیان ہوا تھا کمزوری تھی، کیونکہ جو بعض مقامات آسٹریا کے ایسے
تھے کہ جہاں اٹیلین زبان بولی جاتی تھی، اُن کی طرف اٹلی بہت لالچ کی نظر
ڈالتا تھا۔ اسی طرح جزیرہ نمائے بلقان میں بحر ایڈریاٹک (Adriatic) [illegible]
کناروں پر آسٹریا اور اٹلی کے تعلقات ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ [illegible]
وجہ سے کچھ تعجب نہیں کہ اٹلی نے موجودہ لڑائی میں یہ سمجھا ہو کہ آسٹریا [illegible]
حملہ سرویا پر چونکہ محض زبردستی سے ہے اس لئے میری علیحدگی اس لڑ [illegible]
سے میری بدنامی کا باعث نہیں ہو سکتی۔ بسمارک یہ چاہتا تھا کہ اگر آسٹ [illegible]
روس پر حملہ کرے تو شہنشاہ روس فرانس سے مدد نہ مانگے۔ اس لئے با [illegible]
اتحاد ثلاثہ قائم تھا، بسمارک نے روس سے ایک خفیہ معاہدہ ۱۸۸۴ء [illegible]
کیا کہ آسٹریا کے حملہ کے وقت جرمنی روس کا مددگار ہوگا۔

۱۸۸۸ء میں موجودہ شہنشاہ ولیم جرمنی کے تخت پر بیٹھے۔ گو یہ بسمارک کے شاگرد تھے اور اس کی اعلیٰ لیاقتوں کو سراہتے تھے لیکن سب پر جلد روشن ہو گیا کہ دو شخص جو ایسے ضدی ہوں وہ ساتھ ساتھ کام نہیں کر سکتے ۱۸۹۰ء میں اس وزیر اعظم کو استعفا دینا پڑا اور جب وہ اپنے گھر بیٹھا تو اپنی گورنمنٹ کی کارروائیوں پر سخت اعتراض کیا کرتا تھا۔ شہنشاہ ولیم کی پالیسی غیر ملکوں کے معاملات میں بسمارک کی ایسی نہ تھی۔ اس لیے اس نے خفیہ عہدنامہ کو جو روس اور جرمنی کے باہم ہوا تھا تازہ نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانس اور روس آپس میں مل گئے اور انھوں نے اتحاد ثلاثہ کے مقابل میں "اتحاد اثنین" ۱۸۹۵ء میں قائم کیا۔ جاپان کی لڑائی کے بعد جب روس تھک کر کمزور ہو گیا تو جرمنی نے فرانس کی طرف غصہ اور حقارت کی نگاہ ڈالنا شروع کی۔ اس وقت فرانس کو روس کی دوستی کی قدر معلوم ہوئی ہیں یہ انہی عہدناموں کی وجہ سے ہے کہ موجودہ جنگ عظیم میں جرمنی نے آسٹریا کی طرفداری کی اور فرانس نے روس کا ساتھ دیا۔

۱۸۷۸ء میں جو فیصلے اور انتظام برلن کی پنچایت کے ذریعہ ہو سکے تھے وہ تیس برس تک قائم رہے۔ ۱۹۰۸ء میں جب ٹرکی میں حکومت دستوری قائم ہوئی تو آسٹریا اور بلغاریہ کو اندیشہ ہوا کہ اگر ٹرکی کے انتظام حکومت میں اصلاح ہو گئی تو ترک اپنے دور افتادہ صوبوں کو پھر اپنے قابو میں لانا چاہیں گے۔ اس لئے آسٹریا نے بوسنیا اور ہرزگوینا کو اپنی قلمرو میں ملا لیا اور بلغاریہ نے اپنی آزادی اور خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ آسٹریا کے

اس عمل سے سرویا کو نہایت غصہ آیا کیونکہ بوسنیا کی رعایا سروین قوم کی تھی اور سرویا کی جو آرزو تھی کہ کسی وقت وہ سب قوم سرویا کو ملا کر ایک بڑا سرویا بنائے گا، وہ ہمیشہ کے لیے خواب و خیال ہوگئی۔ ایسے وقت میں روس نے سرویا کی طرفداری کی لیکن جب جرمنی آسٹریا کی مدد پہ جھکا تو روس کو ہٹ جانا پڑا۔ کیونکہ وہ اس وقت تک جاپان کی جنگ کے صدمے جھیل رہا تھا۔ سرویا نے اپنی سلطنت بڑھانے کے واسطے اپیل کی اور چاہا کہ سنجاق حاصل ہو جائے تاکہ سرویا کی سرحد مانٹی نیگرو سے مل جائے لیکن یہ بات آسٹریا کو نہایت ناگوار تھی۔ اس لیے اس نے سنجاق ٹرکی کو دیدیا۔ ۱۹۱۲ء-۱۳ء میں جنگ بلقان ہوئی تو سرویا نے سنجاق فتح کرلیا۔ بلکہ کچھ اور زیادہ ملک لے لیا اور یہی کامیابی جو سرویا کو حاصل ہوئی یورپ کی اس جنگ عظیم کی بنیاد ہے۔

اب اس سوال کا جواب دیا جاسکتا ہے کہ کیوں آسٹریا نے سرویا سے لڑائی ٹھانی۔ آسٹریا ہنگری سرویا کی طاقت توڑنا چاہتا ہے۔ دو وجہ ایک یہ کہ آسٹریا ہنگری میں ڈھائی کرور رعایا یعنی آدھی مردم شماری سے زیادہ سلیو (Slav) قوم ہے اور ان میں پچاس لاکھ سے زیادہ سروین ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ ہم سرویا کی حکومت میں آجائیں۔ اس میں شک نہیں کہ سرویا ہمیشہ آسٹریا کی رعایا کو اپنا ہمدرد بنانے اور آسٹریا سے مخالفت کرانے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور یہ سازشیں برابر جاری رہا کرتی ہیں۔ آسٹریا انہی سازشوں کو بند کرنا چاہتا ہے۔ دوسری وجہ آسٹریا کے

حملہ کی یہ ہے کہ جرمنی کی پالیسی مشرقی معاملات میں جو کچھ بسمارک کے وقت میں تھی اس سے بالکل بدل گئی ہے اور اب وہ ٹرکی کے ایشیائی علاقے لینے کی فکر میں رہتا ہے۔ اس غرض سے سلطان روم سے دوستی بڑھانے کے لیے جرمنی بہت سرگرمی سے کوشش کرتا ہے اور اسی باعث ایشیائے کوچک اور وادی فرات میں بغداد ریلوے وغیرہ میں جرمنی کا روپیہ لگانے کے لیے سلطان روم کو بہت آسانیاں حاصل ہوتی ہیں چونکہ جزیرہ نمائے بلقان میں ہو کر راستہ ہے اس لیے سرویا کی طاقت بڑھ جانے سے اندیشہ ہے کہ وہ راستہ جرمن کو نہ ملے گا۔ اس لیے جرمنی اور آسٹریا نے آپس میں اتفاق کر کے یہ تجویز کیا ہے کہ یہ راستہ کھلا رہنا چاہیے اور یہ غرض حاصل کرنے کے لئے سرویا کی طاقت توڑ کر اس کو اپنا ماتحت بنا لینا چاہتا ہے۔

یہ ناممکن تھا کہ روس خاموشی سے سرویا کو پامال کرا دیتا۔ روس نہیں کر سکتا کہ بڑے آدمیوں کو قتل کرانے کے واسطے سازشیں کرائے یا سازش کرنے والوں کو مدد دے۔ لیکن جب اس نے یہ دیکھا کہ ولیعہد آسٹریا کے قتل سے آسٹریا کو ایک حیلہ ملتا ہے کہ سرویا پر حملہ کرے اور اس کی خودمختاری مٹا دے تو اس سے پھر رہا نہ گیا اور اس نے سرویا کی طرفداری کی۔ اول تو روس کے تعلقات جزیرہ نمائے بلقان سے ہیں۔ علاوہ اس کے روسی اور سرویٹی قوم دونوں ایک نسل سے ہیں اور دونوں کا مذہب ایک ہے۔ ان وجہوں سے روس اپنے کمزور بھائیوں کی مدد پر آمادہ ہو گیا۔ روس ہی نے پہلے

سرویا کو سلطنت گورنمنٹ کا حق دلایا تھا اور بعد میں خودمختاری اور اگر روس ۱۹۰۸ء میں کمزور نہ ہوتا تو اس وقت بھی سرویا کو بغیر مدد دیے نہ رہتا۔ آسٹریا اور جرمنی نے اگر یہ سمجھا کہ پہلے کی طرح روس اب بھی کمزور ہے اور ہم کو سرویا پر حملہ کرنے دے گا یا ہماری گیدڑ بھبکی میں آکر ہٹ جائے گا تو سخت غلطی کی۔

اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ کے تعلقات جو فرانس اور جرمنی سے تیس ۳۰ سال گذشتہ سے رہے ہیں مختصر طور پر بیان کیے جائیں۔ اس مدت میں پہلے پندرہ برس تک فرانس اور برطانیہ میں پورے طور پر دوستی نہ تھی۔ برٹش کا قبضہ مصر پر رہنے سے فرانس کو رنج تھا اور چند نو آبادیوں کے تعلقات کے سبب فرانس اور برٹش میں جنگ کا اندیشہ رہا کرتا تھا۔ ۱۸۹۶ء میں جبکہ Major Marshand نے فشوڈا پر جو دریائے نیل کے اوپر کے حصہ پر واقع ہے، قبضہ کیا تھا تو اس وقت برٹش کے ساتھ لڑائی ٹھن جانے کا اندیشہ بہت زیادہ تھا کیونکہ انگریز فشوڈا کو اپنی حد اختیار کے اندر سمجھتے تھے۔ اس وقت لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی مگر برٹش اور فرینچ میں دشمنی زیادہ بڑھ گئی۔ شہنشاہ جنت آشیاں Edward the peace maker کی دوربینی و مصلحت اندیشی کی تعریف جس قدر کی جائے کم ہے، جنھوں نے فرانس اور برطانیہ میں دوستی پیدا کر کے مدتوں کی دشمنی کی بنیاد مٹا دی۔ جس کا بہت بڑا فائدہ آج دونوں قوموں کو پہونچ رہا ہے۔ ۱۹۰۳ء میں شہنشاہ ایڈورڈ فرانس تشریف لے گئے

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۰۴ء میں دونوں قوموں میں سمجھوتا ہوگیا اور جو بنیاد فساد چلی آتی تھی اُس کا تصفیہ ہوگیا۔ اُس وقت سے فرانس اور برطانیہ میں دوستی شروع ہوئی۔ جس کا نتیجہ دوسرے ہی سال دکھائی دیا یعنی فرانس نے برطانیہ کا قبضہ مصر پر تسلیم کرلیا اور برطانیہ نے اُس کے بدلہ میں فرانس کو مراکو کے معاملات میں پورے اختیارات دیدیے۔

اس موقع پر شہنشاہ جرمنی نے دخل دیا اور ۱۹۰۵ء میں مقام تانجیر (Tangiers) میں جاکر وہاں کے سلطان کی آزادی اور خودمختاری کا اعلان کردیا۔ چونکہ جرمنی کے تعلقات تھے اس وجہ سے لازم آیا کہ یورپ کی قوموں کی ایک کانفرنس یعنی پنچایت بیٹھے جو اس معاملے کو سلجھادے۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء میں بمقام Algiers یہ پنچایت ہوئی اور اس وقت برطانیہ نے فرانس کی طرفداری کی اور آسٹریا نے جرمنی کو مدد دی اور برٹش اور فرنچ میں دوستی زیادہ بڑھ گئی۔ اس سال جبکہ سر چارلس ہارڈنگ (جو لارڈ ہارڈنگ ہوکر اب ہمارے وائسرائے ہیں) سینٹ پیٹرس برگ میں سفیر تھے، اس وقت روس اور برطانیہ میں عہدنامہ کی غرض سے نامہ و پیام ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۰۷ء میں شہنشاہ ایڈورڈ کی صلح جوئی اور دوراندیشی اور برٹش سفیر کی مدبری سے اس عہدنامہ پر دستخط ہوگئے جو Anglo-Russian convention کے نام سے مشہور ہے۔ اس وقت سے روس اور برطانیہ میں دوستی کا رشتہ مضبوط ہوگیا۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں جب مراکو کے معاملات پھر تازہ ہوئے اُس وقت جرمنی جنگی جہاز پنتھر (Panthar) نامی ساحل

مراقش پر یکایک پہونچ گیا۔ اُس وقت برطانیہ نے فرانس کی مدد کی اور اپنی فوج بحری تیار کی نتیجہ یہ ہوا کہ جرمنی اور فرانس میں جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔

برطانیہ نے جو دوستی فرانس سے پیدا کی اُس کا کچھ تو سبب اور کچھ نتیجہ یہ تھا کہ جرمنی کے ساتھ برطانیہ کے تعلقات میں فرق آگیا تھا۔ ۱۸۷۰ء میں جب فرانس اور جرمنی کے باہم جنگ ہوئی، برطانیہ میں اکثر اشخاص جرمنی کے طرفدار تھے۔ گو بعضے بسمارک کی جنگ و جدل کی حکمت عملی کو ناپسند کرتے تھے جب فتح کے بعد جرمنی کی سلطنت مضبوط ہو گئی تو برطانیہ کو ہمدردی تھی اور برسوں برطانیہ نے جرمنی کی دوستی کا پورا خیال رکھا۔ لیکن ۱۸۸۴ء میں جرمنی نے غیر ملکوں میں اپنی نو آبادیاں قائم کیں تو اُس وقت انگلستان کو بسمارک کی حکمت عملی ناپسند آئی اور کسی قدر دشمنی پیدا ہوئی۔ پھر بھی برطانیہ نے یہ خیال کیا کہ اگر جرمنی نو آبادیاں قائم کرنا چاہتا ہے تو یہ خیال بیجا نہیں ہے، اس لئے جو جھگڑے فساد تھے اُن کا فیصلہ دوستانہ ہو گیا اور برطانیہ نے جرمنی کو افریقہ اور جنوبی سمندروں میں نو آبادیاں قائم کرنے سے نہیں روکا، گو وہ اپنی زبردست فوج بحری سے روک سکتا تھا۔ جو لوگ جرمنی کو پہچانتے تھے، خوب واقف تھے کہ انگلستان کی سلطنت بحری کو جرمنی نہایت حسد کی نظر سے دیکھتا ہے اور خاصکر یہ سمجھتا ہے کہ جنوبی افریقہ میں ٹرانسوال اور انگلستان کے باہم دشمنی ہونے سے جرمنی کی طاقت وہاں قائم ہو جائے گی۔ جب ڈاکٹر جیمس کی مہم کو ناکامی ہوئی اور شہنشاہ جرمنی نے پریسیڈنٹ کروگر کو مبارکباد کا تار جنوری ۱۸۹۶ء میں بھیجا تو

جاننے والوں کو کچھ تعجب نہیں ہوا۔ البتہ نہ جاننے والوں کو حیرت ہوئی۔ اُسی وقت سے جرمنی کی طرف سے برطانیہ کھٹک گیا اور برطانیہ کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ جرمنی کا دلی ارادہ کچھ اور ہے اور وہ ہرگز انگلستان کا دوست نہیں ہے۔

اگر کروگر کو کسی غیر ملک سے مدد ملنے کا بھروسا نہ ہوتا تو جنگ ٹرانسوال کی شاید نوبت نہ آتی۔ اگر اُس وقت جرمنی دشمنی سے کام لینا چاہتا تو ممکن نہ تھا کیونکہ اس کی بحری طاقت کم تھی۔ اُس وقت سے جرمنی نے اپنی فوج بحری کو بڑھایا اور اگر برطانیہ بھی اپنی فوج بحری جرمنی کے مقابل نہ بڑھاتا تو جرمنی کی بحری طاقت تمام دنیا میں سب سے زبردست ہو گئی ہوتی۔ جب برطانیہ نے دیکھا کہ جرمنی میں یہ تیاریاں ہو رہی ہیں تو وہ سوچا کہ ایسی زبردست فوج بحری کی ضرورت جرمنی کو کیوں ہے۔ برطانیہ چونکہ خود ٹاپو ہے اور اُس کی سلطنت اور تجارت ملکوں ملکوں پھیلی ہوئی ہے اس لیے اس کو بہت زیادہ جہاز اور فوج بحری رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ اپنی حفاظت کرے۔ جرمنی نے چونکہ تجارتی جہازوں کا بیڑا بنایا تھا اور غیر ملکوں میں کہیں کہیں نوآبادیاں بھی قائم کر لی تھیں اس لئے اس کو بھی یہ خواہش ہونا چاہیے تھی کہ سمندر پر میری طاقت مضبوط رہے لیکن جس بڑی تعداد سے وہ جہاز اور فوج بحری بڑھا رہا تھا اُس سے اور کوئی غرض نہیں پائی جاتی تھی بجز اس کے کہ برطانیہ کی طرح میں بھی سمندر کا مالک بن جاؤں اور جس طرح خشکی پر میرا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا ویسے ہی سمندر پر بھی میرا سامنا کوئی نہ کر سکے اور تمام دنیا میرے اشاروں پر چلے۔ جرمنی کی اس دشمنی سے فرانس اور برطانیہ میں اور بھی

زیادہ دوستی ہوگئی اور برطانیہ نے اپنی فوج بحری بڑھائی اور فرانس اور برطانیہ کے باہم یہ معاہدہ ہوا کہ اگر فرانس اپنے جہاز دریائے Mediterranean میں رکھے تو برطانیہ اپنے جہاز جرمن کے سمندر میں رکھے گا۔ تین برس گذرے جب جرمنی نے مراقش (مراکو) کے معاملات میں فرانس کو دھمکی دی تھی تو اسی معاہدہ کے سبب برطانیہ نے جرمنی پر ظاہر کر دیا تھا کہ فرانس کے بحری کنارہ و ں اور فرینچ نوآبادیوں کی حفاظت، برطانیہ بمقابلہ جرمنی کے کرے گا۔

اب جرمنی کے مقابل میں برطانیہ نے جو اعلان جنگ کیا ہے وہ دو سبب سے ہے۔ اوّل تو یہ کہ انگلستان یہ معاہدہ فرانس سے کر چکا تھا کہ جرمن کے مقابل میں اُس کو مدد دے گا۔ برطانیہ کی عزت اس میں قائم رہتی تھی اور ذاتی فائدہ بھی اسی میں تھا کہ وہ فرانس کی مدد پر کھڑا ہو جائے تاکہ فرانس کا بازو نہ ٹوٹ جائے۔ دوسرے یہ کہ اگر برطانیہ مدد کا وعدہ فرانس سے نہ کر چکا ہوتا تب بھی اُس کا فرض تھا کہ بیلجیم کی سلطنت کو ٹوٹنے نہ دے۔ نہ اُس کو کسی لڑائی سے سروکار اور واسطہ رکھنے دے، کیونکہ برطانیہ ان باتوں کا ضامن ہو چکا تھا اس کے سوا جب جرمنی نے بلا وجہ بیلجیم سے لڑائی ٹھانی اور بیلجیم نے مدد کے لئے برطانیہ سے اپیل کی تو برطانیہ کے لئے شرم کی بات تھی اگر اُس اپیل کو منظور نہ کرتا۔ جب جرمنی نے اپنا عہد توڑا یعنی بیلجیم کو لڑائی میں پھنسایا تو اُس نے یہ عہد کیا تھا کہ ہم اپنا آدھا وعدہ پورا کریں گے یعنی بیلجیم کی سلطنت کو مسلم رکھیں گے اور اس کو ٹوٹنے نہ دیں گے، لیکن تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں، وہ سمجھ گئے کہ جرمنی کا مطلب کیا ہے اور نیز یہ کہ اُس کے وعدوں کا

اعتبار کچھ نہیں ہے ؎

اُس کے اقرار میں انکار ہے اور ہاں میں نہیں
عہد میں عہد یہ پیماں کسی پیماں میں نہیں

اس میں شک نہیں کہ یہ جنگ عظیم نہایت افسوس کے لائق ہے اور جو تکلیفیں اور مصیبتیں اس کے باعث لوگوں پر پڑ رہی ہیں اور پڑیں گی وہ بیشمار ہیں، تب بھی بعض موقعوں پر بے عزتی کی صلح سے جنگ بہتر ہوتی ہے اور یہ موقع برٹش سلطنت کی تاریخ میں اسی قسم کا ہے۔ برطانیہ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اسکا معاملہ سچا ہے اور اسی سچائی کا یقین کرکے اُس نے انصاف اور آزادی کی حمایت میں تلوار میان سے کھینچی ہے جو یقیناً اس وقت میان میں جائے گی جبکہ وہ دشمنوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دے گا اور انسانی تہذیب و تمدن کا پشت پناہ بن کر اسے جرمنی کے وحشیانہ ظلم و ستم سے بچائے گا اور کمزور قوموں اور ملکوں کو اپنی اصلی حالت پر بحال کرا دے گا۔

برطانیہ کی طرف سے و نیز تمام اتحادی قوموں کی طرف سے یہ جنگ حق بجانب ہے، کیونکہ خود غیرت دار قوموں کے نزدیک ایسی لڑائی بعض اوقات ضروری ہوتی ہے اور تمام دنیا کے صلح جو اور جنگجو ہر دو فریق متفق ہیں کہ اپنے حقوق کے استحفاظ میں لڑنا اور جان کو خطرے میں ڈالنا نہایت قیاضی کا کام ہے اور جو قومیں ایسا نہیں کرتیں وہ جلد نہایت ذلت کے درجے پر پہونچ جاتی ہیں۔

ٹرکی کی شرکت | اکتوبر ۱۹۱۴ء کے آخر میں یعنی جبکہ جنگ شروع ہوئے تین مہینے گذر چکے تھے، ٹرکی جرمنی کے دباؤ سے اور اُس کی مدد کے بھروسے پر اس لڑائی میں شریک ہوگیا جس سے برطانیہ کو سخت افسوس ہوا۔ یورپ میں کوئی بادشاہ

ایسا نہیں ہے جس کا دانت قسطنطنیہ پر نہ ہو۔ صرف برطانیہ ایسا ہے جو ٹرکی کی سلطنت کو صحیح و سالم رکھنا چاہتا ہے اور ہمیشہ اس کا دوست اور خیر خواہ رہا ہے اور کئی مرتبہ اُس کو دوسرے بادشاہوں کے حملہ سے بچا چکا ہے۔ مثلاً جب ۱۷۹۹ء میں نپولین نے ملک شام اور ایشیائے کوچک پر قبضہ کرنا چاہا تو برطانیہ نے اپنی فوج بحری سے اُس کو روک دیا۔ اسی طرح ۱۸۵۴ء میں برٹش نے ٹرکی کا طرفدار ہو کر روس کے مقابلہ میں Crimean War میں حصہ لیا تھا، جس میں محاصرۂ سباسٹوپول (Sebastopol) بہت مشہور ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ روس کے مقابلہ میں ٹرکی کی محافظت کردی گئی تھی۔ علاوہ اس کے تمام دنیا میں جس قدر آبادی مسلمانوں کی ہے یعنی اٹھارہ کروڑ اسی لاکھ، اُس کے نصف سے زیادہ یعنی ۹ کروڑ باسٹھ لاکھ برطانیہ کی حکومت کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی مردم شماری ہے۔ تو سمجھنا چاہیے کہ برطانیہ اسلام اور اسلامیوں کا حامی و مددگار دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ اُس سے چھیڑ کرنا اور اُس سے دشمنی مول لینا ٹرکی کو مناسب نہ تھا کیونکہ اُس کی دشمنی سے بہت بڑے نقصان ہو سکتے ہیں اور فرانس سے لڑنے میں ٹرکی اپنے ہاتھ سے ایسی قوم کی ہمدردی کھو بیٹھا جو ٹرکی کی مالی حالت درست کر دیتی اور برطانیہ سے جو عداوت برتی تو گویا ایسی قوم سے مخالفت کی جو ٹرکی کو ہمیشہ آزاد اور خود مختار اور زبردست سلطنت دیکھنا پسند کرتی ہے اور اسلام اور اسلامیوں کی سب سے بڑی محافظ ہے۔ جرمنی کا ساتھی ہو کر ٹرکی نے گویا ایسی قوم کی شرکت کی ہے جو اس کی ایشیائی سلطنت

اور قسطنطنیہ میں اپنا زور اور دباؤ قائم کرنا چاہتی ہے ۔
جرمنی نے جو بغداد ریلوے بنائی ہے وہ اسی غرض سے ہے کہ عراق عرب اور ایشیائے کوچک سے خلیج فارس تک ریل کی راہ پر جگہ جگہ اپنی نوآبادیاں قائم کر دے اور اپنا قبضہ جما دے ۔ اسی ریل کا ایک آخری حصہ جو ۱۹۱۸ء میں ختم ہو جائے گا اور بغداد سے خلیج فارس تک چلا گیا ہے ۔ یہ ریل بن گئی تو ایک زبردست فوجی طاقت رکھنے والی قوم یعنی جرمنی کے قبضہ میں ایسا راستہ آجائے گا جو ہندوستان کی طرف سیدھا چلا آیا ہے یعنی وہی راستہ جس طرف سے سکندر اعظم نے اٹک تک حملہ کیا تھا ۔
حضرت سلطان المعظم اور ان کی عزیز رعایا کے جاں نثار نہیں چاہتی تھی کہ برطانیہ سے لڑے ۔ مگر افسوس کہ وہ سب مجبور و معذور ہیں ۔ کیونکہ آجکل تمام اختیارات فوج کے ہاتھ میں ہیں یا ینگ ٹرکس (Young Turks) کی جماعت کے ہاتھ میں، جن میں ایسے ارکان و عہدہ دار ہیں جنھوں نے یورپ میں اور خصوصاً جرمنی میں تعلیم پائی ہے اور اس وجہ سے جرمن کے طور و طریق اور جرمنی کے طریقہ جنگ و حرب اور شیوہ طعن و ضرب کو پسند کرتے ہیں اور جرمن کی صحبت اور ان سے خلا ملا رکھنے کا اثر ہے کہ ترکوں نے جرمنی سے اتفاق کیا، جس کے باعث جرمنی کی طرح ٹرکی میں بھی لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی ہے

لون کہتا ہے نہیں گرمی صحبت میں اثر ۔ جل اٹھا پنبہ شرر سے جو ہم آغوش ہوا

ٹرکی میں ایک فریق ایسا ہے جو یہ چاہتا ہے کہ غیر ملکوں کے ساتھ ٹرکی کی

صلح اور ملک کے اندر امن و امان رہے اور رعایا میں ناراضی نہ پھیلے اور
برطانیہ سے پھر نئے سرے سے دوستی ہو جائے۔ اس فریق کے سرگروہ کامل پاشا
تھے اور حضرت امیر المسلمین محمد خاں ہیجم بھی اسی فریق میں ہیں۔ لیکن نہایت
افسوس ہے کہ یہ سب بندگان خدا جو اصل میں نہایت دور اندیشی اور
عقلمندی کی راہ پر ہیں، کچھ کر نہیں سکتے، کیونکہ فوج اور اس کے سردار
انور پاشا سیاہ و سفید کے مالک ہیں۔ اگر ٹرکی کی پالیسی اب بھی بدل جائے
اور برطانیہ کے خلاف نہ ہو تو ممکن ہے کہ برطانیہ ٹرکی کے ایشیائی مقبوضا
کی حفاظت کر دے اور قسطنطنیہ کوئی نہ لے سکے اور ٹرکی کی تمام سلطنت
مسلم اور برقرار رہ جائے، برطانیہ اس وقت جو کچھ کر رہا ہے، خوشی سے
نہیں بلکہ نہایت افسوس اور مجبوری سے حفاظت خود اختیاری کے اصول
کر رہا ہے اور اس کا یہ عمل اس لیے نہیں ہے کہ اسلام اور اسلامیو
نقصان پہونچائے بلکہ اس لیے کہ جرمنی کا اختیار اور قابو قسطنطنیہ پر
نہ جمنے پائے، جو اس وقت ظاہر میں تو مددگار ہے مگر وہی مسلمانوں
اور اسلام کو سخت نقصان پہونچانے والا ہے۔ اس لڑائی کی حالت
میں بھی برطانیہ نے عرب اور عراق کے تمام متبرک مقامات اور نیز
بندر جدہ کو حملہ سے محفوظ رکھا اور حضور وائسرائے بہادر نے اپنی نہایت
خیرخواہ مسلم رعایا کی خاطر اعلان کر دیا ہے کہ عرب کے تمام متبرک مقام اور
نیز بندر جدہ پر کوئی حملہ نہ کیا جائے اور ہندوستان کے حاجیوں کو جو
ان مقامات کو جائیں کوئی تکلیف نہ پہونچائی جائے برٹش گورنمنٹ

کی سفارش سے فرانس اور روس نے بھی یہی وعدے کیے ہیں ۔

حال میں جب ٹرکی اور اٹلی کے باہم جنگ تھی یا جب بلقان کی لڑائی میں ٹرکی مبتلا تھا تو ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں نے نہایت فیاضی سے اپنے بھائیوں کی یعنی ترکوں کی مدد کی تھی ۔ یہ بات نہایت پسندیدہ تھی کیونکہ اُن لڑائیوں میں اصل میں اسلام کو خطرہ تھا ۔ اسی طرح اس وقت مسلمانان ہند نے نہایت احسانمندی اور ایمانداری ثابت کی کہ گورنمنٹ برطانیہ کا ساتھ دیا اور جان ومال سے خدمت کرنے کے تیار ہو گئے کیونکہ گورنمنٹ برطانیہ نے اُن کو آزادی (مذہبی اور ہر قسم کی) اور اعلی تربیت وتعلیم اور اعلی درجہ کے حقوق ملکی دے رکھے ہیں جو دنیا میں کسی بادشاہ کی حکومت میں مسلمانوں کو حاصل نہیں ہیں ۔ روس کی سلطنت میں جو ترکان اور تاتاری مسلمان آباد ہیں جن کی تعداد (۱۲۱۵۰۰۰۰) ایک کروڑ اکیس لاکھ پچاس ہزار ہے اُنھوں نے روس کا ساتھ دیا ہے اور فرانس کی سلطنت میں "الجزائر و ٹیونس وغیرہ کی مسلمان رعایا ہے جس کی تعداد ایک کروڑ اٹھائیس لاکھ ہے اس نے فرانس کے ساتھ خیرخواہی اور جان نثاری کا اظہار کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی قوم ایسی ہے جو اپنے حاکم وقت کی فرمانبردار و اطاعت شعار اور تابعدار وجان نثار ہے ۔ ہندوستان کے تمام مسلمان ٹرکی وزیروں کی غلطی پر افسوس کیا کرتے ہیں جنھوں نے ٹرکی کو جنگ میں شریک کرا دیا اور نہایت اخلاص وسچائی سے اُن کو آگاہ کرتے ہیں ؎

زہر دشمن بپایان دوست بشکستی — بہ بیں کہ از کہ بریدی و باکہ پیوستی

حضور والسرائے کے پاس جو سیکڑوں تار مسلمانوں کی پبلک جماعتوں نے بھیج کر اپنی خیر خواہی اور وفاداری کا یقین دلایا ہے اُن سے ثبوت ملتا ہے کہ مسلمانوں کی قوم گورنمنٹ کی کیسی خیر خواہ ہے گورنمنٹ کو ایسی قوم سے کوئی اندیشہ نہیں ہو سکتا جن کے یہاں فقط ایک لفظ، ایمان کا ایسا ہے جو احسانمندی، فرض، دیانتداری اور عقیدہ چاروں کو شامل ہے، اور یہ اُمید کی جاتی ہے کہ یہ ایمان ہر مسلمان کے پاس ہے اور ہونا چاہیے۔

مختلف الاقوام رعایا کی طرف سے برطانیہ کی وسیع سلطنت کی خیر خواہی اور امداد

اس لڑائی میں جو دنیا کی سب سے بڑی لڑائی ہے جس میں ڈیڑھ کروڑ فوج ہے سلطنت انگلشیہ کی تمام رعایا انتہا درجہ کی خیر خواہی اور جاں نثاری کر رہی ہے۔ ہندوستان سے، جنوبی افریقہ سے، آسٹریا اور نیوزی لینڈ سے بلکہ دنیا کے اُس گوشہ سے جہاں بظاہر زمین کا سرا معلوم ہوتا ہے یعنی کینیڈا (Canada) سے فوجوں پر فوجیں چلی آتی ہیں، جو میدان جنگ میں برطانیہ پر اپنی جانیں نثار کر رہی ہیں۔ سلطنت برطانیہ جس میں آفتاب کبھی نہیں ڈوبتا، اُس کے تمام حصے آپس میں مل گئے ہیں گویا جان ایک ہے اور قالب جدا جدا ہیں۔ ہندوستان کی تمام رعایا جو ۳۳ کروڑ کے قریب ہے یک دل اور یک جان ہو رہی ہے۔ راجاؤں اور نوابوں اور رعایا کے ہر فرقہ و جماعت نے ملک کے عام جلسوں میں یہ ظاہر کیا ہے بلکہ گورنمنٹ کو درخواستیں دی ہیں کہ

ہماری جان اور مال گورنمنٹ کے لیے حاضر ہے۔ آسٹریا نے دس ہزار فوج دوبارہ دی ہے اور یہ وعدہ کیا ہے کہ ہر مہینے چار ہزار فوج سے مدد دے گا۔ کینیڈا کا وزیر اعظم سر رابرٹ بورڈن کہتا ہے کہ علاوہ اس تیس ہزار فوج کے جو ہم بھیج چکے ہیں۔ دس ہزار فوج روانگی کے واسطے اور تیار ہے اور پچاس ہزار جو نئی بھرتی کی گئی ہے وہ بھی ضرورت کے وقت بھیج دی جائے گی اور پھر بھی کینیڈا اور مدد دے گا جیسی ضرورت ہوگی۔ ہندوستان کے سب راجا، مہاراجا اور نواب جن کی تعداد قریب سات سو کے ہے، یک دل ہو کر سلطنت برطانیہ کے بچانے کے لیے ذاتی خدمتیں کرنے کے لیے اور اپنے ملک کی آمدنی دینے کے واسطے حاضر ہیں میدان میں جانے کے لیے حضور وائسرائے بہادر نے حسب ذیل والیان ریاست منتخب کیے ہیں۔ راجگان جودھپور، بیکانیر، کشن گڑھ، جام نگر، کولھاپور، رتلام، سچین (Sachin) پٹیالہ، سر پرتاب سنگھ ریاست بھوپال کے ولیعہد، مہاراجہ کوچ بہار کے بھائی اور چند شہزادے مدرسہ جنگی کے طالب علم۔ ان میں سے اکثر اپنی اپنی فوجیں لے کر گئے ہیں اور Imperial Service troops بھی گئی ہیں۔ پنجاب اور بلوچستان کے بعض رئیسوں نے اور مہاراجہ بیکانیر نے ستر سواروں کے رسالے دیے ہیں۔ بعض والیان ملک نے درخواست کی ہے کہ ہم نئی فوج بھرتی کر کے دیں گے جو میدان جنگ میں جا سکے۔

مہاراجہ ریوا نے اپنا خزانہ، اپنی فوج اور جواہرات سب دینے کا
وعدہ کیا ہے اور مہاراجہ میسور نے پچاس لاکھ روپیہ
گورنمنٹ کو دیا ہے کہ فوج کے خرچ کے کام آئے۔ مہاراجہ گوالیار
نے بہت بڑی رقم گورنمنٹ کے پاس جمع کرانے کا وعدہ کیا ہے اور
کئی ہزار گھوڑے گھوڑ چڑھی فوج کے واسطے دینے کا اقرار کیا ہے
مہاراجہ بیکانیر، نظام حیدرآباد اور راجہ جام نگر نے اپنی ریاستوں
کے سب گھوڑے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ دربار نیپال نے اپنی ریاست
کی تمام فوج گورنمنٹ کو دیدی ہے اور تین لاکھ روپیہ اس غرض سے
دیا ہے کہ گورکھوں اور برٹش کے واسطے مشین گنیں خریدی جائیں۔
تبت کے ڈلائی لیما (Dalai Lama) نے ایک ہزار تبتی فوج
گورنمنٹ کو دی ہے۔ اسی طرح ہندوستان کی تمام جماعتیں، مذہبی
پولیٹیکل، سوشل اور ہندو مسلمان، سکھ، یوروپین، پارسی، عیسائی
ان سب کی بے شمار جماعتوں نے حضور وائسرائے اور لوکل گورنمنٹوں
کو تاروں اور خطوں کے ذریعہ اطلاع دی ہے کہ ہم ہر قسم کی خدمت کرنے کو
روپیہ سے اور اپنی ذات سے تیار ہیں۔ مہاراجہ گوالیار اور بیگم صاحبہ
بھوپال کو Hospital ship کا خیال سب سے پہلے پیدا ہوا۔ دہلی
میڈیکل ایسوسی ایشن نے فیلڈ ہاسپٹل جو بلقان کی جنگ میں بھیجا تھا
وہ دینے کا وعدہ کیا ہے اور کلکتہ کے بہت سے ڈاکٹروں کی جماعتوں
نے میدان جنگ میں زخمیوں کی مرہم پٹی کی خدمت اپنے ذمہ لی ہے اور

اپنا مطب چھوڑ کے اہل کیشن ہو کر گورنمنٹ کی نوکری سے میدان جنگ
میں گئے ہیں، اس طرح ۲۷ بڑی ریاستوں نے جہاں جہاں Imperial
Service troops تھیں سبھوں نے وہ فوجیں دینا چاہی ہیں لیکن
حضور وائسرائے بہادر نے بارہ ریاستوں سے ایسی فوج کی مدد لی جس
میں سوار اور پیدل سب تھے اور وہ یورپ کو روانہ ہو گئی۔ گیکواڑ
بڑودہ اور مہاراجہ بھرت پور جو یورپ میں تھے اور ہندوستانی جماعت
جو انگلستان میں تھی سبھوں نے خدمت گذاری اور خیر خواہی کا اظہار کیا ہے۔

ہندوستان میں وائسرائے ریلیف فنڈ کے نام سے بہت بڑا سرمایہ جمع ہوا
جس میں تمام ملک سے چندہ کیا گیا ہے۔ اس کی تعداد ۲ مارچ سنہ رواں
تک ۷۷۸۹۰۸۶۷ روپیہ ہے۔ اس کے علاوہ سوا چودہ لاکھ روپیہ اور ہے جو
پراونشل کمیٹیوں کے ہاتھ میں ہے۔ تکلیف زدہ لوگوں کی مقامی امداد کے لیے
جو روپیہ مختلف صوبوں اور ریاستوں کی ایجنسیوں میں جمع ہو چکا
ہے اس کی تعداد ایک کروڑ پچاس لاکھ روپیہ ہے۔ یہ ریلیف فنڈ
ہندوستانی سپاہیوں کے خاندان، اور مقتولین کے یتیم بچوں اور
بیواؤں کی پرورش کے لیے ہے۔ اس کے سوا انگلستان میں بہت سے
فنڈ کھلے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے

Prince of Wales fund, Queen Alexandra's fund, Lord Robert's Indian Soldiers' fund, Miss Mary's fund, Indian army provision fund

ان کے ذریعہ ہندوستانی اور برٹش سپاہیوں کو ہر قسم کے تحفے اور آسائش کی چیزیں جاڑے کے لیے بکار آمد پہونچتی رہتی ہیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی اور مقتولوں کی بیواؤں اور بچوں کی پرورش ہوتی ہے تحفوں کے بھیجنے کا سلسلہ برابر جاری ہے اور سپاہیوں کی ذاتی آسائش و آرام اور اُن کی بیویوں اور بچوں کو مدد پہونچانے کی تدبیریں نہایت وسیع پیمانہ پر ہو رہی ہیں - انگلستان میں چھ سو اسپتال ہندوستانی زخمیوں کے علاج کی غرض سے کھولے گئے ہیں - ان اسپتالوں کے علاوہ لیڈی ہارڈنگ صاحبہ کا اسپتال خاص طور پر زخمیوں کی خدمت کر رہا ہے - خود حضرت جارج پنجم اور اُن کی ملکہ معظمہ میری اور اُن کی مادر مہربان جا جا کر زخمیوں کو دیکھتی ہیں اور اُن سے دلاسے کی گفتگو کرتی ہیں اور اُن کی بہادری کی داد دیتی ہیں اور اُن سے پوچھتی ہیں کہ تم کو کوئی چیز اپنے بال بچوں کے واسطے بھیجنا ہو تو بتاؤ اور اُن کی فرمائش اسی وقت پوری کی جاتی ہے - ماں باپ اس سے زیادہ محبت اپنے بچوں سے نہیں کر سکتے جو خود ہمارے بادشاہ اور اُن کی ملکہ اور اُنکی مادر مہربان ہمارے ہندوستانی بہادر سپاہیوں کے ساتھ کر رہے ہیں ؎

پدر بجائے پسر ایں ہمہ کرم نہ کند | کہ دست جود تو با خاندان آدم کرد

خداوند تعالےٰ ایسے بادشاہ کا سایہ ہمارے سروں پر سالہا سال قائم رکھے

جرمنی کے ظلم وستم اور بلجیم کی تباہی و بربادی

جرمنی کے جور وظلم جو بلجیم میں ہوئے ہیں انہوں نے تمام دنیا میں ہل چل ڈالدی ہے اور تمام بادشاہ گو جرمنی کے خلاف کر دیا ہے اور اس سے نفرت پیدا کرادی ہے جس طرح Goths اور Vandals وغیرہ وحشی اور جنگلی قوموں نے قدیم زمانہ میں سلطنت روما کو غارت و تباہ کیا تھا اسی طرح جرمنوں نے لوٹ مار قتل و زنا اور آتش زدگی سے بلجیم کی سلطنت کو، جو صنعت وحرفت اور تہذیب وشائستگی کا اعلیٰ نمونہ تھی، برباد وتباہ کردیا۔ Lovain کا کتب خانہ جلایا گیا۔ ریمس کا گرجا جو فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ تھا، مسمار کیا گیا۔ عام رعایا جو لڑنے والی نہ تھی اُن کے گھر جلائے گئے اور مکانات مسمار کیے گئے۔ لڑکیوں کی پردہ دری کی گئی۔ رعایا پر کروروں روپیہ کے ٹیکس لگائے گئے۔ جن جہازوں پر زخمیوں کی مدد کا سامان تھا اُن کو تارپیڈو سے اُڑایا گیا۔ جو شہر اور قصبے غیر محفوظ حالت میں تھے اُن پر گولے برسائے گئے۔ غرضکہ سب ایسے کام کیے جن کی اجازت حالت جنگ میں قانون بین الاقوام نہیں دیتا۔ اس پر طرہ یہ کہ بلجیم کی رعایا کو پکڑ لے گئے اور اُن کو وطن اور بچوں سے چھڑا کے جرمنی بھیج دیا تاکہ وہاں کھیتوں میں کام کریں اور فصل کاٹیں۔ ان خانہ بدوش جلا وطن لوگوں کی تکلیفوں پر ذرا غور کرنا چاہیے جو اپنی بیویوں، بچوں سے بچھڑے ہوئے بیگانہ ملک میں جہاں اُن کے دشمن ہی دشمن نظر آتے ہیں، بے یار و مددگار، وطن سے دور، دوستوں اور عزیزوں سے مہجور مصیبت اٹھا رہے ہیں۔

مکیں رہے نہ مکاں طرفہ کارخانہ ہوا
زمیں الٹ گئی بس منقلب زمانہ ہوا

بلجیم نے جرمن کے ظلم وستم کی تحقیقات کی غرض سے ایک کمیشن مقرر کیا تھا جس میں بڑے لائق وزیر اور بڑے قابل جج اور بڑے قانون داں اشخاص شامل تھے۔ اس کمیشن کی رپورٹ سے، جو آخر اگست ۱۹۱۵ء میں شایع ہوئی معلوم ہوا کہ جرمن کی فوج ایک گاؤں میں جس کا نام Linsmeav ہے ۱۰ اگست کی شام کو داخل ہوئی۔ وہاں کے سب مزدوروں کو بلا کر سب کے ہتھیار چھین لیے حالانکہ وہاں کسی نے مقابلہ نہیں کیا تھا۔ گیارہ کسانوں کو ایک خندق میں اتار دیا، وہاں سب مردہ پائے گئے۔ ۱۰-۱۱ اور ۱۲ اگست ۱۹۱۴ء کو ایک گاؤں میں جس کا نام Orsineal ہے ایک بوڑھے آدمی کے بازو پر تین زخم لگائے پھر اس کو الٹا لٹکا کر پھانسی دیدی اور جلا دیا۔ کمسن عورتوں کی بے آبروئی کی اور چھوٹے بچوں پر بدعت کی۔ بہت آدمیوں کے ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹ ڈالے، جن کا بیان کرتے کلیجا منہ کو آتا ہے۔ ایک زخمی سپاہی بلجیم کا وہاں ملا جو بیچارہ قید میں تھا۔ بجائے اس کے کہ اس زخمی اور قیدی پر رحم کرتے اور اس کی مرہم پٹی کرتے اس کو پھانسی دیدی۔ ایک دوسرا سپاہی جو اس بیچارہ قیدی کی مرہم پٹی کر رہا تھا اس کو پکڑ کر تار کے کھمبے سے باندھ دیا اور گولی مار دی۔ ناموڑ میں دو ہزار مرد، عورتیں، بچے قتل ہوئے مگر بعض حصوں میں مردوں کی آدھی آبادی نیست و نابود کر دی گئی۔

آپ نے وہ تصویریں دیکھی ہوں گی جو کبھی کبھی با تصویر اخباروں میں

چھپتی ہیں کہ جرمن کی فوج کی آمد کی خبر سُن کر لوگ اپنا اپنا مال و اسباب لے کر اور عورتوں اور بچّوں کو گاڑی اور ٹھیلے پر لادے ہوئے بھاگے جاتے ہیں۔ کسی کا مال و اسباب چھوٹ گیا کسی کا کوئی بچہ رہ گیا۔ گھبراہٹ میں نہ مال کا خیال ہے، نہ سب کو ساتھ لینے ہی کی مجال ہے۔ کوئی مال و اسباب چھوٹ جانے سے نالاں ہے، کوئی اپنے بچّے کے بچھڑ جانے سے پریشان ہے۔ عورتیں اپنے شیر خوار بچّوں کو گود میں لیے بھاگ رہی ہیں، وہ چیختے چلاتے ہیں۔ گھبراہٹ میں اُن کو دم دلاسا بھی نہیں دے سکتیں۔ زیادہ بوڑھوں کی سخت مشکل ہے نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن، بیچاروں کی پیٹھ جھکی ہوئی ہے، سواری میسر نہیں ہے تو پیدل جا رہے ہیں۔ جوان آدمی ان کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں، گویا عصائے پیری بنے ہوئے ہیں۔ بعض جوان آدمی بوڑھوں کو پیٹھ پر لادے ہوئے ہیں۔ شاباش ایسے جوانوں کو جو بوڑھوں کا ساتھ نہیں چھوڑتے اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈالے ہوئے ہیں۔ اسی طرح دس لاکھ آدمی بیلجیم کے، جو کل ملک کی آبادی کا چھٹا حصہ ہیں، وطن سے آوارہ ہو کر چلے گئے ہیں جن میں سے پانچ لاکھ آدمی تو ہالینڈ میں ہیں اور پانچ لاکھ فرانس اور انگلستان آگئے ہیں جہاں اُن کی خبر گیری اچھی طرح ہوتی ہے ؎

ظلم جرمن کا لکھا حال ہے یہ تھوڑا سا — جس پہ اُس دیو نے اپنا کبھی سایہ ڈالا
دشتِ غربت میں وہ آوارہ و سرگشتہ ہوا — دوست بھی چھوٹ گئے ملک بھی اپنا چھوٹا
اپنے ہر خویش و یگانہ سے وہ مہجور ہوا — کون سا شیشۂ دل ہے کہ نہ جو چور ہوا

یہ وہی شہنشاہ جرمن ہیں جنہوں نے جولائی سنہ ۱۹۰۰ء میں جب اپنی فوج چین کی مہم پہنچی تھی کہ باکسر فرقہ کی بغاوت دور کرے، تب فوج سے مخاطب ہوکر یہ الفاظ کہے تھے۔

Whoever falls into your hands is forfiet to you, just as 1000 years ago tho Huns under king Attila made a name for themselves which is still in tradition and story

یعنی "جو کوئی تمہارے ہاتھ پڑے وہ تمہارا ہو چکا۔ ایک ہزار برس گذرے جس طرح بادشاہ اٹلا نے اپنی فوج ہن سے قتل و غارت گری کی تھی اور نام پیدا کیا تھا جو اب تک روایتوں میں مشہور چلا آتا ہے اسی طرح تم بھی نام پیدا کرو۔" حال میں اسی لڑائی کے چھڑنے پر اسی شہنشاہ نے اپنی اسپیچ میں کہا تھا کہ اگر جرمنی کو زمین پر جگہ نہ ملی تو آفتاب میں اس کو رہنے کے لیے جگہ مل جائے گی۔ کیا خدا کی شان ہے کہ جو قوم یہ بلند پروازی کر رہی تھی کہ آفتاب میں جگہ ڈھونڈھ رہی تھی عرش کے تارے توڑ رہی تھی، اس کو یہ نیچا دیکھنا پڑا کہ سلطنت بڑھانا تو ایک طرف، جس قدر اس کے مقبوضات غیر ملکوں میں تھے (جن کا رقبہ ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل یعنی ہندوستان کے رقبہ سے ڈیوڑھے کے قریب تھا) وہ سب گرہ سے کھو بیٹھی ع

مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہو گیا　　آفتاب اتنا ہوا اونچا کہ تارا ہو گیا

جنگ عظیم پر دوسرا لکچر

زبانی

۹ رمئی ۱۹۱۵ء کو بمقام سرستی مجلون جب مشران صاحب کا دوسرا لکچر (جنگ یورپ پر) زیر صدارت گریسی صاحب بہادر کلکٹر ضلع جلسۂ عام میں ہوا تو تحریری لکچر پڑھنے سے پہلے موصوف نے زبانی حالات جنگ مختصر سنائے، جو ۲۱ مارچ ۱۹۱۵ء سے ۹ مئی ۱۹۱۵ء تک (یعنی پہلے لکچر سے دوسرے لکچر تک) ظہور میں آئے تھے اور درج ذیل ہیں:-

میر مجلس اور حضرات انجمن!

آج میرا دوسرا لکچر جنگ یورپ پر ہے۔ جس شوق و ذوق اور قدردانی سے آپ صاحبوں نے میرا پہلا لکچر سنا، اس سے میرے دل کو بڑی تقویت پہونچی ہے اور میں نے اور بھی زیادہ محنت اور توجہ کی ہے کہ آپ کو تازہ بتازہ نو بہ نو دلچسپ واقعات جنگ سناؤں میں انشاء اللہ اسی طرح بہت دنوں تک سنایا کروں گا۔ کیونکہ میرے پاس دلچسپ واقعات کا ذخیرہ بہت ہے سہ

بگوش از سروشم بسے مژدہ ہاست　　　دلم گنج گوہر زبان اژدہاست

لیکن جس قدر زیادہ، میں آپ کی تفریح طبع کا خیال رکھتا ہوں اسی قدر یہ لحاظ بھی رکھتا ہوں کہ صحیح اور سچے حالات سناؤں۔ میرا منشا یہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ کو دھوکے میں رکھوں۔ بلکہ جو واقعات

گذر چکے ہیں یا گذر رہے ہیں بے کم و کاست بیان کروں گا۔

راست می گویم و یزداں نہ پسندد جز راست ۔۔۔ حرف ناراست سرودن روش اہرمن است

اتحادی فوجوں کی کامیابیاں: جیسا جو ابھی حال ہی میں اتحادی فوجوں نے بہت نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں ۔ انھوں نے مقام Orzemgst کو بمقابلہ آسٹریا کے چھ مہینے کی لڑائی کے بعد فتح کر لیا ۔ یہاں کے قلعہ کی فوج ایک لاکھ ستر ہزار تھی جس میں چالیس ہزار سپاہی مارے گئے اور جو فوج آسٹریا کی گرفتار ہوئی اُس کی تفصیل یہ ہے ۔ ۹ جنرل ۔ ۹۳، اسٹاف افسر ۔ پچیس سو فوجی افسر اور سوا لاکھ سے زیادہ سپاہی ۔ ایک ہزار سے زیادہ توپیں اور سامان رسد اور سامان جنگ وغیرہ ۔ گذشتہ ہفتہ میں سخت لڑائی Wzso kpass میں روسیوں اور آسٹرین لشکروں کے باہم ہوئی جس میں ۴۵ ہزار آسٹرین ہلاک اور زخمی ہوئے اور ۲۱ ہزار گرفتار ہوئے ۔

برٹش کامیابی نیوشپیل اور Hill 60 پر: نیوشپیل کی لڑائی میں جو برٹش نقصان تین دن کے اندر ہوا اُس کی تفصیل یہ ہے :

مارے گئے	زخمی ہوئے	گم ہوئے
۲۳ افسر اور ۱۷۲۸ سپاہی	۳۵۹ افسر اور ۸۱۷۴ سپاہی	۱۹۰ افسر اور ۲۳۳۷ سپاہی

مسٹر لائیڈ جارج کا مقولہ ہے کہ نیوشپیل کی جنگ میں جس قدر گولا بارود خرچ ہوا اُس قدر تمام جنگ ٹرانسوال میں ہوا تھا ۔ دشمن کا نقصان، جو نیوشپیل کی لڑائی میں ہوا، اس کی تفصیل یہ ہے :-

ہلاک ہوئے	زخمی ہوئے	گرفتار ہوئے
۱۸ ہزار	بارہ ہزار	۳۰ افسر اور ۱۶۵۷ سپاہی

نیو شپیل کی لڑائی میں ہندوستانی فوج نے بڑی شجاعت ظاہر کی سر جان فرینچ، برٹش قائد اعظم نے بہت بڑی تعریف لکھی ہے۔

جنرل فرینچ کی کامیابی

جنرل فرینچ کو بمقابلہ جرمن آلسس میں کامیابی ہوئی جرمن کو اس شکست میں بڑا نقصان ہوا۔ جرمنوں نے تین مرتبہ جنرل فرینچ پر حملے کیے مگر ناکام و بے نیل مرام واپس گئے۔ اسی طرح برٹش اور فرینچ قوموں کو دردۂ دانیال پر کامیابی ہوئی۔ دونوں طرف فوجیں بہت اچھی حالت میں اتر گئیں۔ متحدہ فوجیں گیلی پولی جزیرہ نما میں اتر پڑی ہیں اور چند مقامات انھوں نے فتح کر لیے ہیں۔

برٹش اور جرمن کی فوجوں میں کتنے ہلاک اور زخمی ہوئے

۱۵ اپریل ۱۹۱۵ء تک برٹش فوج میں چالیس فی صد آدمی ہلاک اور لڑائی کے لئے ناکارہ ہوئے ہیں اور ساٹھ فی صدی انہی زخمیوں میں سے پھر لڑائی کے قابل ہو گئے۔ جرمن فوج میں بہت زیادہ ہلاک اور بیکار ہو گئے۔ سرکاری طور پر معلوم ہوا ہے کہ جرمن کا نقصان ۱۵ مارچ ۱۹۱۵ء تک یہ ہوا کہ ۵۷۲۱۳ افسر ہلاک اور زخمی ہوئے منجملہ اُن کے ۹۵۴۵ افسر ہلاک ہوئے جن میں ۲۴ جنرل ہیں۔ اُن کے سوا جرمن کے بیمار اور زخمی زیادہ تر اچھے نہیں ہوئے اور جرمن نے اُن کی پرواہ زیادہ نہ کی۔ بخلاف اس کے برٹش ڈاکٹروں نے اور تیمارداری کرنے والی

عورتوں نے بہت سعی و کوشش کی اور زیادہ بیمار اچھے کیے کبھی دوسری مہم میں اس قدر بیمار چنگے نہیں ہوئے تھے۔

جرمن کا راستہ بند کیا جانا
German Blockade

۱۴ اپریل ۱۹۱۵ء کو جو ہفتہ ختم ہوتا ہے اُس میں صرف دو جہاز جرمن نے غرق کیے۔ حالانکہ ۳۳۴۱ جہاز برطانیہ کے آئے اور گئے۔ جو ہفتہ ۲۸ اپریل تک ختم ہوتا ہے اُس میں جرمن نے ایک جہاز تجارتی اور چار مچھلی پکڑنے والے جہاز ڈبوئے اور گرفتار کیے حالانکہ اس ہفتہ میں ۱۴۴۱ جہاز برطانیہ کے آئے اور گئے۔ جب تک کہ جرمن Blockade کو چھ ہفتے گذرے تھے اُس وقت تک جرمن نے صرف ۲۷ جہاز غرق کیے تھے۔ حالانکہ اُن چھ ہفتوں میں ۳۹۶۱ جہاز برطانیہ سے آئے اور گئے۔

برٹش نے جرمن کی آمد و رفت کا راستہ جو بند کیا ہے اُس کا اثر یہ ہے کہ جرمن گویا ایک خاص رقبہ کے اندر بند ہو گیا ہے کہیں سے اُس کو رسد یا سامان جنگ نہیں پہونچ سکتا ہے۔ امریکہ سے رسد اور سامان جنگ برطانیہ اور اُس کے حلیفوں کو پہونچتا ہے۔ جرمن کہتا ہے کہ تم ہم کو رسد کیوں نہیں دیتے۔ امریکہ جواب دیتا ہے کہ ہم تم کو بھی رسد اور سامان جنگ دینے کو موجود ہیں تم Delivery کیوں نہیں لیتے۔ برٹش کی طرح تم بھی سمندروں پر قبضہ کرو۔ ہم تم کو سب کچھ دینے کو تیار ہیں۔

جرمنوں کا عمل، قانون بین الاقوام کے خلاف

جرمن نے ابھی حال میں دو زیادتیاں اور کیں یعنی جو کچھ ظلم و ستم کرتا آتا ہے اُس پر اور اضافہ کیا۔ ایک تو یہ کہ زہردار گیس اپنے مورچوں، گولوں اور گولیوں میں رکھی۔ جس سے برٹش قوم کو نقصان پہونچا۔ وہ گیس آنکھوں کو بہت نقصان پہونچاتی ہے اور پھیپھڑے کو بھی۔ کینیڈا کی فوج کو بہت نقصان پہونچا۔ لیکن اب برٹش نے بھی اُس کی تدبیر کر لی ہے کہ منہ اور ناک ایک نقاب سے بند کر لیتے ہیں اور کچھ دوا بھی استعمال کرتے ہیں جس سے گیس کا اثر نہیں ہوتا۔ سچ پوچھیے تو یہ کمزوری کی علامت ہے کہ جرمن ایسی حرکتیں کرتا ہے۔ یہ قانون حرب کے خلاف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کھسیانا ہو گیا ہے۔ جیسے کوئی پہلوان پچھڑ جائے اور اُس سے کچھ بن نہ پڑے، تو کاٹ کھاتا ہے۔ حالانکہ جانتا ہے کہ کاٹنے سے کچھ نہ ہوگا اور یہ آداب کشتی کے بھی خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ اُس نے اس غلط خیال پر کہ جرمن قیدیوں کے ساتھ برٹش بُرا سلوک کر رہے ہیں ۲۹ چالیس برٹش افسروں کو پکڑ رکھا ہے اور اُن کو قید میں ڈال رکھا ہے اور اُن سے بہت بُرا سلوک کرتا ہے، حالانکہ برٹش کا سلوک جرمن قیدیوں کے ساتھ بہت اچھا ہے۔ اُن کو اچھا کھانا کپڑا دیا جاتا ہے، اُن کو کھیل تماشے اور تفریح کے واسطے وقت دیا جاتا ہے اور جرمن زبان کی کتابیں پڑھنے کی غرض سے دی جاتی ہیں اور کوئی محنت اُن سے نہیں لی جاتی ہے اور یہ سلوک اُس حالت میں کیا جاتا ہے کہ

برٹش فوج بحری کا ایک سپاہی بھی جرمن نے آج تک نہیں بچایا ہے حالانکہ برٹش نے ایک ہزار سے زیادہ ڈوبتے ہوئے جرمنوں کو ایسے موقعوں پر بچایا ہے کہ اپنے آپ کو بڑے خطروں میں ڈال دیا اور برٹش کا یہ سلوک اُن جرمن سپاہیوں کے ساتھ ہے، جنھوں نے اپنے بادشاہ یا اپنے سرداروں کے حکم سے بہت کام قانون جنگ کے خلاف کیے ہیں۔ پس ایسی صورت میں برٹش افسروں سے بُرا سلوک کرنا اور اُن کو قید میں رکھنا نہایت بیجا ہے۔

صاحبو۔ میں یہ کہوں گا کہ جن بارکوں میں برٹش افسروں کو قید کیا ہے اُن کی زیب و زینت اور رونق و آرائش ہو گئی ہے، کیونکہ جن مکانوں میں ایسے معزز مہمان رکھے جائیں، جیسے کہ برٹش فوجی افسر ہیں، اُس مکان کی زہے قسمت، اُس مکان کے خوش النصیب!

صاحبو۔ کل اخبار میں دیکھنے میں آیا ہے کہ روس کے قیدیوں کے ساتھ جرمن بُرا سلوک کر رہا ہے۔ روس نے بھی دھمکی دی ہے کہ ہم بھی تمھارے قیدیوں سے ویسا ہی بُرا سلوک کریں گے جیسا تم ہمارے قیدیوں کے ساتھ کر رہے ہو۔ سچ پوچھیے تو روس اگر ایسا کرے، تو اُس کو حق پہونچتا ہے اور بدلہ لینے پر اُس کو کوئی الزام نہیں دے سکتا ہے ؎

ظلم اہل ظلم پر کچھ ظلم میں شامل نہیں   کون غارتگر ہے مجرم خانۂ زنبور کا

شکر ہے کہ امریکہ کے سفیر کی کوشش سے اب جرمن کی طرف سے برٹش افسروں پر سختیاں کم ہو گئی ہیں۔

رب نواز خاں رسالدار (سفارت اصفہان) کی چٹھی

"جرمن نے جس طرح ترکی کو دھوکا دیا، اسی طرح ایران کو بھی دھوکا دینا چاہا تھا، مگر ناکام رہا۔ ایک شخص ڈاکٹر پیوگن Dr Pugin نامی قالینوں اور رنگوں کی تجارت اصفہان میں کرتا تھا وہ جرمن کا نسل مقرر ہو گیا۔ اس نے لکچر دینا شروع کیے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور شہنشاہ جرمنی مع تمام رعایا کے مسلمان شیعہ ہو گیا ہے۔ یہ ڈاکٹر اپنے بازو پر تعویذ باندھتا تھا، جس پر کلمہ شہادت لکھا ہوا تھا۔ کئی جگہ لوگوں نے بہت شوق سے اس کا استقبال کرنا چاہا مگر وہ شخص کچھ خوف اور جھجک سے وقت پر نہ پہونچا۔ آخر کار اس کا بھید کھل گیا اور ایران کے عالموں اور مجتہدوں نے اعلان کر دیا کہ یہ شخص فریب دیتا ہے۔ کوئی اس کی باتوں میں نہ آئے۔ ایران کے مسلمان شیعہ سب برٹش کے خیر خواہ ہیں، کیونکہ برٹش کی بدولت قاچار خاندان کے بادشاہ تخت ایران پر حکمراں ہیں۔"

صاحبان ذی شان۔ میں نے اس چٹھی کا مضمون اس غرض سے عرض کیا کہ اگر یہاں بھی کسی وقت جرمن وغیرہ کا کوئی جاسوس آئے تو ہمارے مسلمان بھائیوں کو خبردار رہنا ضروری ہے۔ یہاں کے مسلمان ہوشیار اور عقلمند ہیں۔ کسی فریب میں نہ آئیں گے اور جس طرح ہندوؤں کی خیر خواہی اور جاں نثاری کا کامل یقین گورنمنٹ کو ہے، اسی طرح مسلمانوں کی خیر خواہی کا نقش گورنمنٹ کے دل پر رہے گا۔

صلح کی گفتگو

صاحبان والا شان۔ مہینہ ڈیڑھ مہینہ سے صلح کی خبر کسی نہ کسی

اخبار میں پڑھنے میں آتی ہے گو وہ اعتبار کے لائق نہیں ہے تاہم ع

تا نہ باشد چیزکے مردم نگویند چیزہا

کچھ تو ہے۔ محض غلط بھی نہیں کہہ سکتے۔

کبھی یہ خبر ہوتی ہے کہ ٹرکی اتحادی قوموں سے علیحدہ صلح کرنا چاہتا ہے۔ کبھی یہ کہ ہنگری آسٹریا سے الگ ہو کر اتحادی سلاطین سے صلح کا خواہشمند ہے۔ کبھی جرمن کی طرف سے خبر ہوتی ہے کہ اگر بیلجیم واپس دیدیں تو اہل بیلجیم لڑائی میں شریک نہ ہوں گے۔ یہ گفتگو غیر بادشاہوں کے سفیروں کی معرفت ہوتی رہی۔ لیکن اتحادی سلاطین کا ارادہ صاف ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ مستقل صلح چاہتے ہیں۔ یعنی جب تک جرمن کی فوجی طاقت (German militarism) کو پامال نہ کر دیں گے، اُس وقت تک مستقل صلح کی اُمید کسی طرح نہیں کر سکتے۔

<u>سامانِ جنگ</u> | صاجو۔ جو سامانِ جنگ ستمبر ۱۹۱۴ء میں برٹش فوج میں تھا اُس کے مقابلہ میں اب اُنیس گنا زیادہ ہے اور برطانیہ اپنے حلیفوں کو یعنی فرانس اور روس کو سامانِ جنگ سے بڑی مدد پہونچا رہا ہے پہلے برٹش امدادی فوج صرف چھ ڈویژن سمجھی جاتی تھی۔ اب اُس سے چھ گنی زیادہ میدان جنگ میں ہے۔

جنگ عظیم پر دوسرا لکچر
(تحریری)

بیلجیم پر جرمنی کا حملہ ۱۳ مارچ سنہ ۱۵ء سے ۹ مئی سنہ ۱۵ء تک یورپ کے بہادر معرکے ہیں، جو جنگ عظیم یا Great War کے نام سے موسوم ہے، جو خاص خاص اور اہم واقعات و حالات رونما ہوئے ان کو زبانی تقریر میں بیان کرنے کے بعد، مسٹر ان صاحب نے حسب ذیل تحریری لکچر پڑھکر سُنایا۔ ناظرین اگر گذشتہ ہر سہ لکچروں کے ساتھ اس لکچر کو ملاحظہ فرمائیں تو جنگ عظیم کی مکمل تاریخ اور ممالک متحاربین کی سیاست ملکی پر عبور حاصل ہو سکتا ہے۔

جب جرمنی نے فرانس کے مقابلہ میں اعلان جنگ کیا تو اُس کے لئے فرانس پر حملہ کرنے کے دو راستے تھے۔ ایک راستہ تو وہ تھا جدھر فرانس کے بہت قلعے سرحد کی حفاظت کی غرض سے بنے ہوئے تھے۔ دوسرا وہ راستہ تھا جدھر سے جانا جرمن قوم کے لئے معاہدہ کے خلاف تھا یعنی بیلجیم کی طرف سے لیکن جرمنی نے اپنے عہد کو توڑا اور جو کچھ ضمانت کی تھی اُس کا بھی کچھ لحاظ نہ کیا اور اس دوسرے راستہ سے اپنی فوجیں لے گیا۔ جرمن نے جب کبھی فرانس پر حملہ کیا ہے تو یکایک اور بہت تیزی سے اور بڑی سے بڑی فوج سے کیا ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی یہی کیا کہ پیرس کی جانب لاکھوں فوج بھیجی اور فرانس کو کچھ وقت نہ دیا

کہ وہ اپنی فوج جمع کرتا یا یہ کہ اپنی حفاظت کی کوئی تدبیر کرتا۔ فرانس پر حملہ کرنے کی غرض سے Alsace Lorraine اور لکسم برگ کی سرحد کی طرف جرمنی پہلے سے ہر قسم کا سامان سال بسال جمع کر رہا تھا۔ رسد کا سامان، گھوڑوں کی گھاس، اسپتال میں مرہم پٹی کا سامان اور ایک لاکھ ساٹھ ہزار زخمیوں اور بیماروں کے واسطے بستر یہ سب کچھ جنگ سے کچھ ہفتے پہلے سرحد پر تیار تھا۔ غرضکہ جرمنی ہر طرح سے جنگ کے واسطے تیار تھا۔ آلسس لورین (Alsace Lorraine) کی سرحد کی طرف ایسے مضبوط قلعے اور مورچے فرانس نے بنا رکھے تھے کہ جب تک ہفتوں بلکہ مہینوں تک اُن کا محاصرہ باقاعدہ نہ کیا جائے جرمن اُن کو فتح نہیں کر سکتا تھا اور اُس کو انہی مشکلات کا سامنا تھا جو جاپانیوں کو پورٹ آرتھر فتح کرنے میں پیش آئیں۔ دوسرا راستہ فرانس پر حملہ کرنے کا لکسم برگ اور بیلجیم کی طرف سے تھا لیکن جرمنی نے کئی مرتبہ اس بات کی ضمانت کی تھی کہ کسی لڑائی میں ان دونوں ملکوں سے کوئی تعلق اور واسطہ نہ رکھے گا۔

لکسم برگ کے مختصر تاریخی حالات لکسم برگ ایک چھوٹی سی ریاست ہے جو فرانس، جرمنی اور بیلجیم کے درمیان واقع ہے اور اُس کا رقبہ ایک ہزار مربع میل سے کم اور آبادی ڈھائی لاکھ سے کچھ زیادہ ہے۔ یا یوں سمجھنا چاہیے کہ اُس کا رقبہ Northampton county سے کچھ کم اور آبادی Bradford کی مردم شماری سے بہت کم ہے۔ قدیم زمانہ میں اس مقام پر Spanish آسٹرین، فرنچ اور ڈچ کا قبضہ، وقتاً فوقتاً رہا اور پہاڑوں کو تراش کر اس کثرت سے قلعے اور فصیلیں بنائی گئی تھیں اور قلعوں پر

توپیں چڑھا کر اُن کو مضبوط کیا گیا تھا کہ ۱۹ صدی کے وسط میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ جبرالطارق یعنی جبرالٹر (Gibralter) کے سوا دوسرا کوئی مقام ایسا مضبوط نہیں ہے جس کا فتح کرنا سخت مشکل ہو۔ چونکہ یہ کسی کو خبر نہ تھی کہ کسی وقت جرمنی کی طاقت ایسی بڑھ جائے گی کہ وہ تمام یورپ کو دھمکی دے گا اور اپنے عہد و پیماں کے خلاف عمل کر کے لکسمبرگ پر حملہ کرے گا، اس لیے عہد نامہ لندن کے مطابق جو ۱۸۶۷ء میں ہوا اُس شہر کے مضبوط قلعے اور شہر پناہ اور فصیلیں سب توڑ واکر گرادی گئیں اور اُن کی جگہ پر نہایت خوشنما باغ لگا دیئے گئے جو انواع و اقسام کے پھول دار پودوں اور میوہ دار درختوں سے لہلہا رہے تھے اور کوثر و تسنیم کی طرح باغوں میں نہریں جاری تھیں اور وہ مقام تمامتر بہشت کا نمونہ بنا ہوا تھا، جہاں صبح و شام ہزاروں آدمیوں کا ازدحام رہا کرتا تھا جن میں اہل جرمنی بھی نہایت کثرت سے شامل تھے جو سیر و تفریح کی غرض سے وہاں جاتے اور سبزہ و گلشن کا نظارہ کرتے اور آسمان پر شفق کی بہار دیکھا کرتے تھے، عجیب پرکیف منظر تھا ؎

ٹھنڈی ہوائیں سبزۂ کوہی کی وہ لہک ۔۔۔ شرمائے جس سے اطلس زنگاری فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک ۔۔۔ ہر برگ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
پھولوں کے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے ۔۔۔ تھالے بھی نخل کے سبد گل فروش تھے

وہ سرخی شفق کی ادھر چرخ پر بہار ۔۔۔ وہ بارور درخت وہ گلشن وہ سبزہ زار
شبنم کے وہ گلوں پہ گہر ہائے آبدار ۔۔۔ پھولوں سے سب بھرا ہوا دامان کوہسار

نافے کھلے ہوئے تھے گلوں کی شمیم کے   آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

یہ ریاست بہت عرصہ سے صلح اور امن کی حالت میں رہی ہے اور یورپ کا نہایت سرسبز خطہ ہے۔ اس ریاست کی حاکم گرانڈ ڈچز بذریعہ پارلیمنٹ جس میں عوام کے قائم مقام اور نیز امراء دونوں شامل تھے نہایت عمدگی سے آئین و قوانین کی پابندی کے ساتھ حکومت کرتی تھی۔ مدرسوں میں نہایت عمدہ تعلیم و تربیت ہوتی تھی۔ باشندے نہایت مرفہ حال تھے جا بجا عدالتیں قائم تھیں، حکام انتظام کے لیے مقرر تھے اور ہائی کورٹ بھی تھا۔ البتہ ایسی فوج نہ تھی جو دشمن کے حملہ کو روک سکے۔ لکسمبرگ صدیوں تک یورپ کی جنگاہ و رزمگاہ رہا۔ اس کی سرحد پر حملوں پر حملے ہوتے رہے ۱۸۶۷ء میں جب کہ اس کے پیچھے فرانس اور پروشیا (Prussia) میں جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی، اس وقت بادشاہان یورپ نے اس کی حفاظت کر کے اسے بچا لیا۔ ایک عہدنامہ اس وقت لکھا گیا جس کی ضمانت برطانیہ، فرانس، پروشیا نے کی جس کی رو سے یہ قرار پایا کہ لکسمبرگ سے کسی کو کوئی واسطہ نہ رہے گا اور شاہان یورپ نے یہ ذمہ لیا کہ بوقت جنگ وہ کسی کی جانبدار نہ ہوگی۔

بلجیم کے مختصر تاریخی حالات | جرمنی کو بلجیم کی راہ سے بھی حملہ کرنے میں بڑی مشکلیں تھیں۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے جہاں صدیوں سے جھگڑے اور قضیے ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ سرزمین معرکوں کی پالی سمجھی جاتی ہے اور اس کے لیے وجہ معقول ہے۔ یہاں مذہبی اور قومی لڑائیاں کثرت سے ہوتی رہیں کیتھولک اسپین اور پروٹسٹنٹ ہالینڈ کی مذہبی لڑائیاں بھی ہوئیں یہیں نپولین نے واٹرلو میں شکست کھائی یہیں پہلے چرچل برٹش جنرل نے بمقابلہ فرانس کے جنگ Blenheim وغیرہ

میں فتح حاصل کرکے ڈیوک آف مارل براکا خطاب حاصل کیا۔ جب نپولین کے مقابلہ میں لڑائیوں کا خاتمہ ہوگیا تب یورپ کے بادشاہوں نے چاہا کہ بیلجیم میں امن وامان ہو۔ ایک عہدنامہ ۱۸۳۱ء میں لکھا گیا جس کی روسے اس ملک کی خود مختاری قائم ہوئی۔ اسی عہدنامہ کی تجدید ۱۸۳۵ء میں ہوئی اور برطانیہ فرانس اور پروشیا اس کے فریق ہوئے اور یہ قرار پایا کہ کوئی بادشاہ بیلجیم پر حملہ نہ کرے۔ نہ کوئی اُس کے مقابل میں مہم بھیجے اور نہ کوئی بادشاہ اپنی فوج اُس ملک کے راستہ سے نکالے۔ اس ضمانت اور ذمہ داری کی تجدید بادشاہوں کی طرف سے کئی مرتبہ ہوتی رہی۔

جب بادشاہوں کی طرف سے بیلجیم میں امن وامان رکھنے کی یوں ذمہ داری ہوئی تو ملک میں نہایت ترقی اور مرفہ حالی ہوئی۔ نئے نئے کارخانے جاری ہوئے اور بڑے بڑے شہر مثل انٹورپ (Antwerp) اور لیج کے، جہاں تجارت وصنعت کے کارخانے قائم ہوئے عالم وجود میں آگئے۔ بندر (Antwerp) انٹورپ دنیا میں بہت بڑی تجارت گاہ ہوگیا۔ قصبوں اور شہروں میں آبادیاں بڑھنے لگیں۔ برسلس (Brussels) جو دارالسلطنت تھا وہ پیرس کا نمونہ یعنی فردوس کا نمونہ بن گیا اور اُس کی سیرگاہوں اور خوشنما منظروں اور صنعت کے کارخانوں نے ہزاروں سیاح چاروں طرف سے کھینچ لیے۔ لووین (Lovain) گویا آکسفورڈ کا مقابل تھا جہاں علم وہنر کا مرکز تھا۔ یورپ کے بادشاہوں کی پناہ میں بیلجیم کے باشندے وہ مصیبتیں بھول گئے جو ان پر گذری تھیں

کہیں کہیں قصبوں اور گاؤں میں اگلے ظلم و ستم کی نشانیاں لوگوں کو کبھی
دکھائی دے جاتی تھیں۔ جیسے بعض آلات حرب جو نپولین کی فوج چھوڑ گئی تھی
پُرانے پستول جو سپاہیوں کی لوٹ مار کے وقت لوگ اپنی حفاظت کی غرض سے
استعمال کرتے تھے۔ لیکن اب یہ چیزیں صرف تاریخی یادگاریں اور پُرانی
نادر چیزیں سمجھی جاتی تھیں۔ بیلجیم کے باشندے دوست نواز،
محبت کرنے والے اور کفایت شعار تھے اور اطمینان کے ساتھ زندگی
بسر کرتے تھے۔ اُن کی کاشت میں ترقی تھی اور زراعت کا سامان کثرت
سے تھا اور گھروں میں اناج کے ذخیرے بھرے ہوئے تھے۔ اُن کے
بال بچے بہت بےخوفی کی حالت میں پرورش پاتے تھے۔ سب لوگ
بھول گئے تھے کہ ہمارے ماں باپ کو کبھی حملہ آور فوج نے قتل کیا تھا یا
ہماری عورتوں کی پردہ دری کی تھی۔ تمام دنیا کے سیاح آتے تھے اور
ان کے ملک کے سمندر کے کنارے Belgian لکسمبرگ اور
وادی میوس (Muse) وغیرہ میں سیر و سیاحت کر کے لطف اُٹھاتے تھے

شہنشاہ جرمن نے اپنے عہد و پیمان کے خلاف لکسمبرگ اور بیلجیم پر حملہ
کر دیا، کیونکہ اس راستہ سے فرانس پر فوج بھیجنے میں آسانی تھی۔ کوئی شخص خیال
نہیں کر سکتا تھا کہ بیلجیم جرمن کا مقابلہ کر سکے گا۔ بیلجیم کا رقبہ جرمنی کے آٹھویں
حصہ سے بھی کم ہے۔ اس کی فوج کمزور تھی اور اس قدر بھی نہ تھی کہ تین
بڑے شہر انٹورپ، لیج اور نامور کی حفاظت اچھی طرح کر سکے۔ ان حالات پر
نظر ڈالتے ہوئے جرمن کے فوجی افسر بلکہ یورپ کے مدبران سلطنت

خواب میں بھی کبھی خیال نہیں کرتے تھے کہ بیلجیم جرمنی کا مقابلہ کر سکے گا۔ اس کے علاوہ کچھ عرصہ سے بیلجیم میں جرمنی کا اثر بہت زیادہ پھیلا ہوا تھا۔ انٹورپ کے تجارتی معاملات سب جرمنی کے ہاتھ میں تھے۔ مالی معاملات میں، کارخانوں میں، تجارتی اسباب ملک سے باہر بھیجنے میں جرمن کا اثر نہایت غالب تھا جرمنی میں جو لوگ بہت زیادہ سپاہیانہ جوش اور ملکی محبت رکھنے والے تھے وہ اس وقت کا انتظار کر رہے تھے کہ کب بیلجیم خود بخود جرمنی کی سلطنت میں آجائے گا جیسے درخت سے میوہ پک کر زمین کے دامن میں گر پڑتا ہے۔ بعضوں نے یورپ کے نقشے بنائے تھے اور ان میں بیلجیم کا سرخ رنگ، مثل جرمنی کے رکھا تھا گویا بیلجیم سلطنت جرمن میں شامل ہو گیا۔

۲ اگست ۱۹۱۴ء کو جرمنی نے چھ لاکھ فوج فرانس اور لکسمبرگ کی طرف بڑھائی اور ارادہ کیا کہ نہایت تیزی اور سختی سے ایسا حملہ کیا جائے۔ جس کا مقابلہ کرنا مشکل ہو بلکہ ناممکن۔ ۲ اگست سنہ مذکور کو صبح کے وقت جرمن فوج کے کئی دستے لکسمبرگ میں داخل ہو گئے۔ کچھ فوج ریل سے، کچھ موٹروں کے ذریعہ سڑک کی راہ پہونچ گئی اور ریلوے، تار برقی، ٹیلیفون اور ریل وغیرہ جس قدر ذریعے آمد و رفت کے تھے سب پر قبضہ کر لیا۔ یہ تجویزیں سب پہلے سے سوچ لی گئی تھیں اور ان پر عمل کرنے والے وہ اشخاص تھے جو لکسمبرگ کے کارخانوں اور گوداموں میں محرر اور گماشتے رہ چکے تھے اور اس وقت وردی پہنے ہوئے جرمن فوج میں افسر تھے۔ ان افسروں نے ان باشندوں کا پتہ نشان دیا جو جرمن کی فوجی خدمت کے لائق تھے جیسے السس (Alsace)

کے باشندے جو جلاوطن کردیئے گئے تھے اور جنھوں نے جرمنی کے خلاف اپنے خیالات ظاہر کیے تھے۔ یہ سب گرفتار کرلیے گئے۔

جب جرمن فوج، جو ایک میجر (Major) کی کمان میں تھی dolphe کے پل کے پار پہونچی تو ایک وزیر Myochen نام موٹر پر سوار سڑک پر راہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے ہاتھ میں اس عہدنامہ کی نقل تھی جس کے روسے لکسم برگ کی آزادی اور خودمختاری کی ضمانت بادشاہان یورپ نے کی تھی یہ نقل اُس وزیر نے جرمن کے سردار فوج کو دکھائی جس نے یہ جواب دیا کہ ہم کو اس عہدنامہ کا حال معلوم ہے لیکن ہم کو جو حکم ملا ہے ہم اس کی تعمیل کررہے ہیں اور کریں گے۔ خود گرانڈ ڈچیز یعنی ملکہ لکسم برگ موٹر پر سوار اس موقع پر پہونچ گئیں اور سردار فوج سے کہا کہ ہمارے اور آپ کے باہم جو عہد وپیماں ہوا ہے اُس کے خلاف آپ کی طرف سے نہ ہونا چاہیے ؎

دست وفا در کمر عہد کن   تا نہ شوی عہد شکن جہد کن

لیکن اُس میجر نے جواب دیا کہ آپ ٹھنڈے ٹھنڈے اپنے گھر جایئے۔ اُسی شام کو جرمن سفیر نے لکسم برگ کے وزیر سلطنت کو ایک تار دکھایا جو جرمن کے وزیر اعظم کی طرف سے تھا جس میں یہ تحریر تھا کہ ہماری فوج لکسم برگ میں جو کچھ کررہی ہے وہ دشمن کے طور پر نہیں کررہی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ریلوں کا سلسلہ جو جرمن ریلوں سے ملا ہوا ہے اُس کی محافظت کرے تاکہ فرانس حملہ نہ کرنے پائے۔ ذرا دیر میں جرمن فوج تمام شہر میں پھیل گئی۔ جابجا سرحدوں پر فوج کے دستے متعین کردیئے گئے اور گھروں، کھیتوں، میدانوں

اور جنگلوں میں جرمن ہی جرمن نظر آنے لگے۔ لوٹ مار کا بازار گرم ہوگیا۔
کھیت اجاڑ دیے گئے اور کسی نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو جاسوس سمجھ کر گرفتار
کر لیا گیا۔ غرضکہ فوج کا قبضہ کیا تھا، گویا دیووں کا قبضہ پرستان پر تھا۔ جن کے
سایہ سے سب لوگ بھاگتے تھے اور جنھوں نے ایک دم میں لاکھوں کا گھر خاک کر دیا

دوسرے دن یعنی تین اگست بروز دوشنبہ جرمن سفیر نے بیلجیم کو ایک الٹی میٹم
(یعنی پیام آخری) بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ بیلجیم اپنے ملک میں جرمنی
افواج کو مرور کا راستہ دے جس کے بدلے میں بیلجیم اور اس کے مقبوضات یعنی
سب علاقے بحال اور برقرار رہیں گے ورنہ انکار کی حالت میں بیلجیم کے ساتھ
دشمن کے طور پر برتاؤ کیا جائے گا۔ اس الٹی میٹم کا جواب بارہ گھنٹہ کے
اندر مانگا گیا۔ بادشاہ بیلجیم نے شاہ برطانیہ سے اپیل کی کہ بیلجیم کی آزادی کو
برقرار رکھنے میں مدد کیجیے۔ جس کے جواب میں برطانیہ نے جرمن کو اطلاع
دی کہ بیلجیم سے جو ہمارا عہد و پیماں ہے اس کو پورا کرنے کے لیے ہم تیار
ہیں اور اس کی مدد کرنے میں اگر تلوار کا کام پڑے گا تو دریغ نہ کریں گے۔
جب بارہ گھنٹے گذر گئے اور شاہ بیلجیم نے جرمن کے مطالبات کو قبول نہ کیا تب
جرمن کی فوج بیلجیم کی سرحد کے اندر گھس پڑی۔ تب سر ایڈورڈ گاشین
(Sir Edward Gaschen) برٹش سفیر نے Herr Von Tagow
جرمن کے وزیر خارجہ سے دریافت کیا کہ آیا جرمن گورنمنٹ بیلجیم کی
Neutrality کا خیال رکھے گی؟ جس کا جواب یہ ملا کہ نہیں
ہماری فوج سرحد کے پار جا چکی ہے اور مجبوراً ہم کو بیلجیم کے

راستے سے جانا پڑا کیونکہ سب سے آسان اور قریب کا راستہ فرانس جانے کے واسطے چاہتے ہیں تاکہ وہاں پہونچتے ہی دن میں حملہ کردیں اور فرانس کے مقابلہ کوئی نمایاں فتح حاصل کریں۔" جرمن کو اندیشہ تھا کہ اگر دور کے راستہ سے فوج فرانس پر جائے گی تو دیر کے سبب روس کو موقع ملے گا کہ اپنی بے شمار فوج جرمنی کی سرحد تک پہونچا دے۔ پس نہایت تیزی سے کام کرنا چاہیے جس کے مشتاق جرمن بہت زیادہ ہیں۔ برطانیہ کے سفیر نے سمجھایا کہ بیلجیم پر حملہ کرنے کے نتیجے بہت افسوس کے قابل ہونگے اور اب بھی باز آنا چاہیے۔ لیکن جرمنی کے وزیر خارجہ نے جواب دیا کہ اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ ناچار برٹش سفیر اسی شام جرمنی کے محکمۂ خارجہ میں گیا تاکہ الٹی میٹم پیش کرے۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ رات کے بارہ بجے کے اندر جرمن کی طرف سے یہ ضمانت ہونا چاہیے کہ فوج آگے نہ بڑھے گی اور بیلجیم پر حملہ کرنے سے باز رہے گی ورنہ برٹش گورنمنٹ تیار ہے کہ اپنا وعدہ پورا کرے اور خود جرمنی نے کہا ہے کہ بیلجیم کی سلطنت کو بحال اور خود مختار رکھیں گے۔

جرمن وزیر نے جواب دیا کہ ہماری سلامتی اسی میں ہے کہ ہماری فوج بیلجیم سے گذر جائے۔ برٹش سفیر نے سمجھایا کہ اس کے نتیجے بہت افسوس کے لائق ہوں گے۔ ع چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی -

مگر جتنا اصرار برطانیہ کی طرف سے ہوتا گیا جرمن کی طرف سے جواب میں انکار تھا۔ ناچار برٹش سفیر نے جرمن کے وزیر اعظم سے ملاقات کی

اُس نے ایک داستان چھیڑ دی کہ ایک ذرا سے کاغذ کے پرزے کے پیچھے برطانیہ ایک ہمجنس قوم یعنی جرمن سے لڑنا چاہتا ہے اور ہم برطانیہ سے دوستی کے سوا کوئی اور برتاؤ نہیں کرنا چاہتے ہیں ۔ برطانیہ گویا اس وقت یہ کر رہا ہے کہ ایک شخص کو جو دو حملہ آوروں میں گھرا ہوا ہے پیچھے سے آ کر مارنا چاہتا ہے ۔ اس لیے برطانیہ ان سب نتیجوں کا ذمہ دار ہے جو آئندہ ظہور میں آئیں گے ۔ برٹش سفیر نے جواب دیا کہ برطانیہ کی یہ زندگی اور موت کا معاملہ ہے کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے اور بیلجیم کی خود مختاری قائم رکھنے کے واسطے انتہائی کوشش کرے ورنہ آئندہ برطانیہ کا اعتبار جاتا رہے اور کوئی اُس کے وعدہ کو معتبر نہ سمجھے گا ۔ غرضکہ جب برٹش سفیر نے دیکھا کہ بحث کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ آگ پر تیل ڈالا جائے تو اُس نے خاموشی اختیار کی اور اپنے واسطے پروانہ راہداری طلب کیا ۔

دوسرے دن جرمن فوج کو، جو موٹر کاروں پر سوار حکم کا انتظار کر رہی تھی، حکم ملا کہ ایک دم سے آگے بڑھ کر بیلجیم کی ریلوں اور پلوں پر قبضہ کر لو اور ملک کے اندر گھستے ہوئے فرانس کی جانب بڑھو۔ فوج یہ سمجھتی تھی کہ سخت مقابلہ پیش نہ آئے گا کیونکہ اس کے افسروں نے یقین دلایا تھا کہ بیلجیم کے باشندے دوستانہ طریق پر ہمارا استقبال کریں گے لیکن وہ اس کے برخلاف فوراً مقابلہ پر تیار ہو گئے ۔ اور پیشتر اس کے کہ جرمن موٹر کاریں جن کی تعداد تین ہزار کہی جاتی ہے ۔

آگے بڑھیں۔ اہل بیلجیم نے دریائے میوس (Muse) کے سب پل توڑ دیے اور ہر گاؤں اور ہر قصبہ کی طرف سے سخت مقابلہ جرمن کو پیش آیا۔ بیلجیم کے سب باشندے ایسے باہم متفق ہو گئے کہ گویا جان ایک ہے اور قالب جداجدا۔ آپس میں جس قدر نا اتفاقیاں تھیں سب بھول گئے اور امیر سے فقیر تک یک دل و یک جان ہو کر جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ عورتوں نے مردوں سے بھی زیادہ قومی جوش اور ہمت ظاہر کی۔

پہلے شہر لیج بیچ میں پڑا جدھر سے جرمن کا لشکر جا رہا تھا اور ضرور ہوا کہ یا تو وہ شہر لالچ دے کر لیا جائے یا فتح کیا جائے یہ مقام بیلجیم کا برمنگھم (Birmingham) سمجھا جاتا ہے اور بہت مشہور اور پُر فضا شہر ہے۔ جس میں نہایت دلکش اور دلچسپ منظر ہیں اور ایک تاریخی مقام بھی ہے۔ باشندے نہایت آزاد مزاج ہیں صنعت و حرفت کا مرکز ہے جہاں صرف توپوں کے ڈھالنے والے چالیس ہزار کاریگر ہیں۔ یہاں سے رائفل بن کر اکثر ملکوں میں جاتے ہیں اور بڑی توپیں بیلجیم کے واسطے ڈھالی جاتی ہیں۔ لوہے کے کارخانوں میں ریل کے انجن اور موٹر کار وغیرہ بنتے ہیں۔ عمدہ اور نفیس سرکاری عمارتیں، گرجے اور مدرسے ہیں جو ایسی خوش اسلوبی سے بنے ہوئے ہیں کہ دیکھنے والے عش عش کرتے ہیں۔ انٹورپ (Antwerp) سے دوسرے درجہ پر لیج نہایت مضبوط اور محفوظ

مقام ہے ۔ شہر کے گرد اگرد ۱۳ میل کے محیط میں بارہ قلعے نہایت مضبوط ہیں جو دریائے میوس کے داہنے اور بائیں کنارے پر واقع ہیں اور ان پر توپیں چڑھی ہوئی ہیں۔ پہلے اس مقام کو ۱۴۶۸ء میں چارلس دی بولڈ، ڈیوک آف برگنڈی (Charles the Bold, Duke of Burgandy) نے فتح کیا تھا۔ اُس وقت سے ۱۹ صدی کے شروع تک اُس کا حال دہلی کی طرح رہا۔ مختلف قوموں نے کم سے کم دس دفعہ اُس کو فتح کیا اور ہر دفعہ باشندے قتل کیے گئے اور مال و اسباب لوٹا گیا اور عمارتیں گرائی گئیں۔ جنرل لیمن (Leman) یہاں کے بارھوں قلعوں کا محافظ تھا جس نے فوج کثیر جمع کر کے اُن کو خوب مضبوط کر لیا تھا۔ یہ شخص یورپ میں بطور عالم ریاضیات کے نزدیک دور معروف و مشہور تھا اور فوجی مدرسہ میں پروفیسر اور ممتحن تھا۔ شہنشاہ جرمن کا خیال تھا کہ یہ شخص سپہ سالاری کے لیے موزوں نہ ہوگا، مگر اس عجیب و غریب شخص نے ثابت کر دیا کہ کتابوں کا پڑھنے والا میدان جنگ میں بھی اعلیٰ درجہ کا جنرل ہو سکتا ہے۔

۴ اگست منگل کے دن جرمن فوج لیج کی طرف بڑھی۔ اس وقت عجیب بارونق اور عالیشان منظر نظر کے سامنے تھا۔ جرمن فوج آہستہ آہستہ دریائے میوس (Muse) کی طرف بڑھتی چلی آتی تھی اور بے شمار توپوں اور موٹر گاڑیوں کو ساتھ لیے آتی تھی۔ سب سپاہی سبز، دھانی زرق برق وردیاں پہنے ہوئے تھے جو سب نئی تہ درز اور عمدہ فیشن کی تھیں۔ ہر سپاہی کے ہتھیار

برق دم چمک رہے تھے اور ہر چیز نئی معلوم ہوتی تھی ۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ
ایک فتحمند فوج بڑے جلوس کے ساتھ مارچ کرتی ہوئی آ رہی ہے
ایک انگریزی کی لڑکی نے اُس فوج کو دیکھ کر ٹھیک کہا تھا "They
looked like soldiers on the stage" یعنی یہ لوگ ٹھیٹر کے
سپاہی معلوم ہوتے ہیں ۔

قصبہ وسی (Vise) چونکہ بیچ میں پڑتا تھا اس لیے جرمن نے پہلے اس پر
قبضہ کرنا چاہا ۔ بیلجیم اور جرمن سواروں میں مڈبھیڑ ہوئی لیکن بیلجیم سواروں کو
پیچھے ہٹنا پڑا ۔ پھر چار سو پیدل بیلجیم کی فوج کے جرمن کی فوج کثیر کے
مقابلہ میں آئے اور ریل کے پل کی دو محرابیں توڑ دیں اور قصبہ وسی کو
بچانے کے لیے آمادہ ہو گئے ۔ گو نہایت بہادری سے مقابلہ کیا لیکن قسمت نے
مدد نہ کی اور ان کو لیج کی طرف پیچھے ہٹنا پڑا ۔

تجربت بے فائدہ است آں راکہ بخت گردید بخت
حملہ آوردن چہ سود آں راکہ برگردید زمیں

جرمن نے اس کا بدلہ بہت سخت لیا یعنی برگو ماسٹر کو دیوار کے برابر کھڑا کر کے
گولی ماردی ۔ بہت آدمی جو سپاہی نہ تھے اور نہ وردی پہنے ہوئے تھے مگر ان کے
پاس ہتھیار دکھائی دیے یا ہتھیار ہونے کا شبہ تھا وہ سب قتل کر دیئے گئے
قصبہ وسی جلا کر خاک سیاہ کر دیا گیا ۔ جب جرمن فوج پہلے وسی میں داخل
ہوئی تھی اُس وقت قصبہ وسی بہت ہرا بھرا دکھائی دیتا تھا ۔ چند گھنٹوں
میں راکھ کا ڈھیر ہو گیا ۔ جو امیر تھے وہ فقیر ہو گئے ۔ بچے اپنے ماں باپ

کے لیے چلاتے پھرتے تھے۔ مائیں اپنے بچوں کو ڈھونڈھتی پھرتی تھیں۔ یتیم بچے ہالینڈ کی سرحد کی طرف چلے گئے کہ وہاں جاکر پناہ لیں اور وہاں کے باشندوں کی رحمدلی پر بھروسا کرکے گذارا کریں۔

بیلجیم کی فوج پھر لیج کی طرف ہٹ آئی اور راہ میں جو چیز سامنے آئی اس کو برباد کردیا۔ مثلاً پل، سرنگ، ریل کی سڑکیں اور ریل کی گاڑیاں وغیرہ، تاکہ وہ دشمن کے ہاتھ نہ آئیں۔ گاؤں کے گاؤں جلادیے تاکہ وہاں جرمن کو پناہ نہ ملے۔ جب جرمن کی فوج آئی تو امید کے خلاف انھوں نے دیکھا کہ ہم سے سخت نفرت رعایائے بیلجیم کو ہے اور قدم قدم پر ہمارا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ تب جرمن نے مکانات جلانا شروع کیے اور لوگوں کو گولیاں ماریں اور ہر طرح وحشیانہ حرکتیں کیں۔ ان لڑائیوں میں جرمن کا نقصان بمقابلہ بیلجیم بہت زیادہ ہوا، لیکن جرمنی کی فوج ایک لاکھ ساٹھ ہزار تھی، اگر کئی سو اس میں سے مارے گئے تو کیا کمی ہوسکتی تھی۔ انھوں نے دریائے میوس کے پار اترنا چاہا اور بیسیوں کا پل باندھا۔ ادھر سے بیلجیم کے قلعوں سے فیر ہونے شروع ہوگئے اور آگ برسنے لگی۔ گولہ انداز ایسے ٹھیک نشست باندھ کر نشانے لگاتے تھے کہ ہر گراب تیر قضا کی طرح اپنا کام کرتا تھا۔ ایسے قدر انداز تھے کہ جس جگہ سیدھ باندھ کر نشانہ لگاتے تھے وہیں لگتا تھا اور کبھی خطا نہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ پل جو جرمن نے باندھا تھا اس کے ٹکڑے اڑا دیے، لیکن تب بھی جرمن نے کچھ پروا نہ کی اور پل کو چھوڑ کر دریائے میوس میں کشتیاں ڈال دیں

اور آناً فاناً دریا کو کشتیوں میں عبور کر کے جرمن نے ہوائی جہازوں کے
ذریعہ لیج پر گرداوری کی اور رات کے وقت لیج کی طرف بڑھتے ہوئے
قلعوں کے قریب کھلے میدانوں میں پہونچ گئے کہ یکایک بھق سے روشنی
ہو گئی جس سے تمام میدان جگمگا اٹھا اور تمام فوج جرمن پر گویا بجلی
چمک گئی۔ قلعوں پر سے توپوں کی باڑھ پڑنے لگی اور گراب کا مینہ
برسنے لگا۔ توپوں کی وہ گرج تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ کوہ آتش فشاں
پھٹ گیا ہے اور زمین زلزلہ میں آگئی ہے۔ فوج جرمن اس روشنی
کے باعث، جو بجلی کی طرح ان پر گری، چکاچوند میں آگئی اور یہ دیکھ کر
کہ بھاگنے کی راہ ہے نہ مقابلہ کی طاقت، ہکی بکی ہو گئی اور جس طرح
جانور ذبح خانوں میں جا کر گھبرا جاتے ہیں اسی طرح فوج جرمن گھبرا گئی
اور جس کے جدھر سینگ سمائے بھاگ نکلا۔ ہزاروں جرمن ہلاک اور
زخمی ہوئے۔ تمام میدانوں میں لاشیں بچھ گئیں اور کشتوں کے پشتے
لگ گئے اور زمین خون سے رنگین ہو گئی۔ اس دستہ فوج میں سے
ایک جرمن بھی اپنے لشکر کو واپس نہ جا سکا۔ چند سپاہی جو زندہ بچے
وہ قید کر لیے گئے۔

نظم

ہوئے دونوں لشکر جو سرگرم کیں — گیا شور تا آسماں بریں
یہ کیونکر کہوں میں کہ پیکار تھی — قیامت وہاں اک نمودار تھی
ہوئے کشتہ جنگ آوراں بیشمار — زمیں ان کے خوں سے ہوئی لالہ زار

ہوا جمع توپوں کا ایسا دھواں — بنا آسماں اک تہ آسماں
رہی جب نہ تاب، سکون و قرار — کیا فوج جرمن نے دن سے فرار
سپاہیں گریزاں ہوئیں اس طرح — کہ آندھی میں برگ خزاں جس طرح
کیا بیلجیم نے مخالف کو پست — ہوئی جرمنی کو مکمل شکست

دوسرے دن یعنی ۵ اگست کو جرمن کی فوج نے قلعوں پر گولے برسائے۔ نشانے بہت ٹھیک تھے لیکن چھوٹی توپوں کے باعث اثر بہت کم ہوا۔ تب جرمن بہت بڑا لشکر لے کر آگے بڑھے اور چاہا کہ قلعوں پر دھاوا کریں لیکن بیلجیم کی بڑی توپوں نے گراب کا مینہ برسایا جرمن اور آگے بڑھے تب مشین گنوں سے اُن پر فیر کیے گئے۔ اس پر بھی جرمن نہ رکے اور مورچوں کی طرف بڑھتے چلے گئے جو قلعوں کے درمیان تھے۔ ادھر ان کا آنا تھا کہ بیلجیم کی پیدل فوج سنگینیں ہاتھ میں لے کر مورچوں سے باہر کود پڑی اور ٹھنڈے لوہے کا مزہ بھی دشمن کو چکھا دیا۔ موت کا بازار گرم ہونے لگا۔ جرمن فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے اور نہایت ابتری کی حالت میں پیچھے ہٹے۔ جرمن کے سردار فوج نے ۲۴ گھنٹے کی مہلت مانگی کہ اپنے مردے دفن کر دیں۔ لیکن بیلجیم کے جنرل نے یہ سوچ کر کہ مہلت لینے میں دشمن کا فائدہ ہے اور زیادہ بھاری توپیں لانے کے واسطے فرصت چاہتا ہے۔ مہلت کی درخواست نامنظور کی۔ تب چند جرمن سوار جن میں دو افسر اور چھ سپاہی تھے، انگریزوں کے بھیس میں اس ارادہ سے نکلے

کہ جنرل لیمین (Leman) کو ہلاک کریں اور انگریزی زبان میں لوگوں
کو سلام کرتے ہوئے بیلجیم کے صدر مقام کو پہونچ کر کہنے لگے کہ ہم
برٹش افسر ہیں، جو بیلجیم کو بچانے کے واسطے آئے ہیں اور جنرل لیمین
(Leman) سے ملنا چاہتے ہیں۔ لیکن مارشینڈ (Marshand)
نے اُن پر شبہ کرکے اپنے ساتھیوں کو آواز دی۔ جرمن سوار
بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن بیلجیم کے فوجی افسروں نے اُن کا پیچھا کیا
اور بندوقیں سر کرکے اُن سب کو ہلاک کر دیا۔

۱۷ اگست کو جرمن کی فوج کثیر نے پیپوں کا پل باندھ کر دریائے
میوس (Muse) کو عبور کر لیا۔ پل ایسے موقع پر باندھا گیا جو ہالینڈ
کی سرحد سے قریب تھا اور وہاں تک بیلجیم کے قلعوں کے گولے پہونچ
نہیں سکتے تھے۔ جرمن اب اپنی بڑی توپیں، جو محاصرہ کے کام کی
تھیں، لے آئے۔ اُن کے ہوائی جہازوں نے بیلجیم کے ہوائی جہازوں
پر غلبہ حاصل کر لیا اور بیلجیم قلعوں کے آہنی گنبدوں پر بم کے گولے
گرانے لگے اور فوج جرمن نے دھاووں پر دھاوے کرنے شروع
کیے۔ گو بیلجیم کی توپیں آگ برسا رہی تھیں اور حملہ آوروں کو بھاڑ
کی طرح بھونے ڈالتی تھیں لیکن جرمن کچھ پرواہ نہ کرتے اور آگے
بڑھتے چلے آتے تھے۔ [illegible] ہوا کرے سو

تا مر [illegible] [illegible] نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد
بعض موقعوں پر جرمن فوجوں نے وہی کیا جو جاپانیوں نے

Leaoyoung پر حملہ کے وقت کیا تھا یعنی یہ کہ اپنے سپاہیوں کی لاشوں کے پشتے لگا دیے اور اس کو فصیل قرار دے کر اُس کے پیچھے نہ دم لے لیا اور پھر آگے بڑھے۔

لیج کے باشندوں نے یہ چاہا کہ اُن کے شہر کی عمدہ عمارتیں اور خوشنما سڑکیں سب مسمار نہ ہو جائیں۔ انھوں نے اپنے جنرل لیمین (Leman) سے درخواست کی کہ جرمن کو یہ ترغیب دو کہ شہر کو مسمار نہ کریں۔ اہل بیلجیم کی ایک کانفرنس بیٹھی جس میں بیلجیم کے سول حکام اور فوجی افسر اور جرمن کا ایک قائم مقام سب شریک تھے۔ جرمن کا مطالبہ بہت سادہ لفظوں میں تھا، یعنی یہ کہ شہر مع قلعوں کے ہم کو فوراً دیدو۔ جنرل لیمین نے سول حکام کے دباؤ سے جرمن کو اجازت دیدی کہ شہر لیج پر قبضہ کر لو اور اُس پر گولے نہ برساؤ۔ اب رہے قلعے وہ سب صحیح و سالم تھے، اس لیے جنرل لیمین نے ارادہ کیا کہ قلعوں کو آخر وقت تک بچانا چاہیے۔ لیکن جرمن نے جواب دیا کہ ہمارے سب مطالبے منظور کرو ورنہ کچھ بھی نہ مانو۔ مگر یہ سمجھ لو کہ انکار کی حالت میں شہر پر گولا برسایا جانے لگا۔ اُسی رات آٹھ بجے سے شہر لیج پر گولا برسنے لگا۔ بیلجیم کی فوج نے اپنے افسروں کے حکم کے مطابق ہتھیار رکھ دیے اور شہری رعایا میں سے جس کے پاس ہتھیار تھے سب کو حکم دیا کہ ہتھیار حوالے کر دو، چنانچہ جب جرمنی کی فوج شہر میں آئی تو کسی نے مقابلہ نہ کیا۔

جرمنی میں اس فتح کی بڑی خوشی منائی گئی۔ قیصر جرمن نے اپنی رعایا میں اس فتح کی خبر کو مشتہر کر دیا۔ شہر لیج تو حوالہ کر دیا گیا لیکن قلعے اب تک سخت مقابلہ کرتے رہے۔ جرمن نے شہر کے نامی آدمیوں میں سے سترہ اشخاص بطور ضامن کے گرفتار کر لیے جن میں شہر لیج کا لاٹ پادری بھی تھا اور اُن سے کہا کہ اگر ہماری فوج کو کسی نے کچھ نقصان پہونچایا تو تم ذمہ دار ہو۔ اس کے بعد اہل جرمن نے اپنی حفاظت کا انتظام کیا۔ ہر عمدہ موقع پر توپیں لگا دیں۔ مورچے بنائے گئے ناکہ بندی کر دی گئی۔ فوج پر فوج جرمن کی آتی گئی اور لوگوں کے گھروں میں گھستی گئی۔ جو اسباب چاہا لے لیا۔ اگر کسی نے مقابلہ کیا تو اس کا گھر فوراً جلا دیا اور اُس کو قتل کر دیا۔

لیج حوالے کر دینے کے بعد قلعے سخت مقابلہ کرتے رہے لیکن تجربہ کار جنرل لیمین خوب سمجھتا تھا کہ بغیر میدانی فوج کے قلعے کب تک مقابلہ کر سکتے ہیں۔ جرمن بڑے Howitzer لائے جن کا گولا اتنی دور سے نشانہ مارتا تھا کہ وہاں تک قلعوں کے گولے پہونچ نہیں سکتے تھے۔ ایسے Howitzer جاپانیوں نے روس کے مقابلہ میں استعمال کیے تھے اور بڑی کامیابی کے ساتھ۔ جرمنی نے جاپان کی لڑائی کے بعد کرپ (Krupp) کے کارخانہ میں بڑے زبردست Howitzer خفیہ طور پر تیار کرائے تھے جن کا قطر ۱۷ انچ کا تھا۔ ادھر تو ان توپوں کی مار پڑی، اُدھر ہوائی جہازوں کے ذریعہ بم کے گولے قلعوں پر

برسائے گئے۔ اس کے سوا گولوں کا دھواں ایسا سخت تیز اور تلخ تھا
کہ اہل قلعہ اس سے بیہوش ہوئے جاتے تھے، اس پہ طرہ یہ کہ رسد
اور سامان جنگ کی بھی کمی تھی۔ ان وجہوں سے اہل قلعہ عاجز آ گئے
نتیجہ یہ ہوا کہ ایک کے بعد ایک قلعہ فتح ہو گیا۔ پہلے سمجھا گیا تھا کہ
بلجیم کے قلعے ایک دن سے زیادہ مقابلہ نہ کر سکیں گے لیکن قلعوں
کے بہادروں نے پندرہ دن تک وہ سخت مقابلہ کیا کہ جرمن کے دانت
کھٹے کر دیے اور ہزاروں آدمی ہلاک کر دیے، جس سے دشمن کے
چھکے چھوٹ گئے اور گو اہل جرمنی نے فتح پائی لیکن یہ ویسی ہی فتح
تھی جو (Xerxies) کیخسرو نے لاکھوں فوج سے بمقابلہ لیونی داس
(Lioni Das) کے یونان میں حاصل کی تھی جس کے ماتحت صرف تین سو
بہادروں کی جماعت درہ تھرماپولی میں تھی کہ جب فتح کے بعد فوج
کا نقصان شمار کیا تو ایک آہ سرد دل پُر درد سے کھینچ کر کہنے لگا کہ
One such victory more and I am un یعنی یہ کہ اگر مجھے
ایک ایسی فتح اور حاصل ہو تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔

جنرل لیمین کا حال ایک جرمن افسر نے خود چشم دید لکھا ہے یعنی
یہ کہ جب قلعہ کا میگزین جرمن فوج نے اڑا دیا تو قلعہ میں جرمن سپاہی
داخل ہوئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ جنرل لیمین اینٹوں پتھروں کے ڈھیر
تلے پڑا ہوا ہے۔ اس کا چہرہ کالا پڑ گیا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کے
ایک نے کہا کہ اس جنرل کی عزت کرو، یہ مر گیا ہے۔ اصل میں

جنرل لیمین مرا نہ تھا بلکہ بیہوش تھا۔ جب اُس کو ہوش آیا تب اُس نے اس جرمن افسر کے سامنے تلوار پیش کی، لیکن جرمن افسر نے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہنے لگا "Military honour has not been vialoted by your sword, keep it"

یعنی یہ کہ آپ کی تلوار نے سپاہیانہ اعزاز میں کچھ فرق نہیں آنے دیا، اسے اپنے پاس رکھیے۔ اُس وقت تک جنرل لیمین کو ضبط رہا تھا لیکن ان الفاظ کو سن کر اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرانس کے پریسیڈنٹ نے شہر لیج کو بہادری کے صلہ میں Legion of honour کی عزت بخشی جو اس سے پہلے صرف ایک اور شہر کو حاصل ہوئی تھی۔

برٹش افواج کی روانگی اور بولون میں فرودگاہ

اب برطانیہ کی امدادی فوج کا حال لکھا جاتا ہے جو انگلستان سے روانہ ہو کر بندر بولون میں اتری۔ وہیں فرنچ نے اُس کا استقبال کیا اور وہیں سے فوج میدان جنگ کو روانہ ہوئی۔ جب بولون میں داخل ہو گئی تب برٹش پبلک کو اس کی خبر ہوئی۔ خود فوج کو معلوم نہ تھا کہ ہم کہاں جاتے ہیں۔ جب ریل پر سوار ہوئی تو انجن چلانے والوں کو آگہی نہ تھی کہ آخری منزل کہاں ہو گی اور جب Southampton سے جہاز پر سوار ہوئی تو اس وقت یہ گمان ہوا کہ فرانس کو جا رہے ہیں تاہم یہ ٹھیک خبر نہ تھی کہ کس مقام پر اتریں گے۔ روانگی کے وقت کسی

انگریزی یا فرینچ اخبار نے ایک لفظ بھی نہ لکھا تھا اور سبھوں نے مصلحتہً
خاموشی اختیار کی تھی۔ بولون میں پہونچ کر یہ ممکن نہ تھا کہ فوج کے
استقبال کے لیے جو انتظام ہوئے تھے وہ پوشیدہ رہتے۔ جب فوج
فرانس میں آگئی تب بھید چھپانے کی ضرورت باقی نہ رہی۔

یہ فوج Highlanders کی تھی جس کے دیکھنے کے لیے
دوکانوں اور گھاٹوں سے دوڑ دوڑ کر لوگ آگئے تھے اور سڑکوں پر
پرے باندھے ہوئے کھڑے تھے اور اُن کو دیکھ کر نعرہ خوشی بلند کرتے
تھے۔ ہر سپاہی نہایت کڑیل جوان معلوم ہوتا تھا ہر شخص کے چہرہ
پر دھوپ کا اثر تھا کیونکہ اسکاٹ لینڈ میں بہت زیادہ چلنا پڑا تھا
دلوں میں خوشی اور چہروں پر مسکراہٹ تھی۔ اور داہنے بائیں اُن
مچھلی پکڑنے والے مردوں اور عورتوں کو دیکھتے جاتے تھے جو بولون
کے گھاٹ پر جمع تھے اور کنارہ پر پانی کی موجوں اور جہازوں پر
نہایت خوشی سے نظر ڈالتے تھے۔ جہاں فوج کا کیمپ تھا وہ ایک
نہایت پُرفضا مقام، توجہ گاہ خاص و عام تھا۔ میدانوں میں خیمے
لگائے گئے تھے جہاں سے پہاڑیوں کا نہایت خوشنما منظر دکھائی دیتا تھا
ان پر سبز گھاس کا فرش زمردیں بچھا ہوا تھا اور آسمان نیلگوں
شامیانہ تانے ہوئے تھا۔ سمندر کی طرف سے صاف اور ٹھنڈی ہوا
آرہی تھی اور پہاڑیوں کے آبشاروں کی آوازیں دور کے
نغموں کی طرح خوش آیند معلوم ہوتی تھیں ۔

کشیدہ بر بسر ہر کوہسارے | زمردگوں بساطے مرغزارے
بہر جا سبزہ از خاکش دمیدہ | رُخِ خوباں بہ پیشش خط کشیدہ
غبارش آب و رنگ چہرۂ گل | گیاہش دلربائے زلف سنبل

یہ معلوم ہوتا تھا کہ فوج میدان جنگ کو نہیں جا رہی ہے بلکہ کوئی خوشی کا جلسہ ہے جس میں شریک ہونے کے واسطے لوگ قصبوں اور شہروں سے اُمڈ پڑے ہیں اور اس شاندار اور دلچسپ مقام میں جمع ہو گئے ہیں۔ تمام شہر بولون خوشنما جھنڈیوں سے آراستہ تھا اور جا بجا برطانیہ، فرانس اور بلجیم کے نشان اور جھنڈے لہرا رہے تھے فرنچ فوج جب بلجیم کے میدان میں جانے کے لئے تیار ہوئی تو سپاہیوں کی بہنیں، مائیں اور بیویاں آئیں جن کی آنکھوں میں فخریہ جوش اور جدائی کے سبب آنسو بھرے ہوئے تھے اور سپاہیوں کے بوسے لیتی تھیں گویا اُن کو رخصت کرتی تھیں۔ برٹش فوج مع فرنچ فوج کے ۱۳ اگست کو بلجیم کی طرف روانہ ہوئی اور دس روز تک یہ فوجیں اسی طرح روانہ ہوتی رہیں۔ لوگ ان کو دیکھ کر یہ کہتے تھے کہ ایسے گرانڈیل، خوبصورت، چست و چالاک، تنومند اور مضبوط جوان لڑائی پر جا رہے ہیں، اس کو فال نیک سمجھنا چاہیے۔ جس وقت فوج برطانیہ سے روانہ ہوئی تو حضرت جارج پنجم کا فرمان شاہی Southampton میں سنایا گیا جو حسب ذیل تھا:-

'You are leaving home for the safety and honour of my Empire. Belgium, which country we are pledged to defend, has been attacked and France is about to be invaded by the same powerful foe. I have implicit confidence is you, my soldiers. Duty is your wachword and I know your duty will be nobly done. I shall follow your every movement with the deepest interest, and mark with eager satisfaction your daily progress. Indeed, your welfare will never be absent from my thoughts. I pray God to bless you and guard you and bring you back victorious."

یعنی تم میری سلطنت کی حفاظت کی غرض سے اور اُس کی عزت قائم رکھنے کی غرض سے اپنے ملک اور وطن سے باہر جا رہے ہو۔ بیلجیم کی حفاظت کا ذمہ ہم نے لیا ہے اُس پر دشمن نے حملہ کیا ہے اور وہی زبردست دشمن فرانس پر بھی چڑھائی کرنے والا ہے۔ میرے سپاہیو! میں تم پر پورا بھروسا کرتا ہوں۔ فرض کی انجام دہی تمہارا اصلی اصول ہونا چاہیے اور مجھے یقین ہے کہ تم اپنا فرض نہایت خوبی اور شرافت سے انجام دو گے۔ میں نہایت شوق سے تمہاری نقل و حرکت معلوم کرتا رہوں گا اور جو ترقی کا قدم تم آگے بڑھاؤ گے مجھے اُس کا حال دریافت کر کے نہایت اطمینان ہوگا۔ ہر وقت میرا دھیان تمہاری خیر و عافیت

کی طرف لگا رہے گا۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ تم کو برکت دے اور تم کو اپنی حفاظت میں لے اور پوری فتحمندی کے ساتھ وطن مالوف کو واپس کرے۔ اسی طرح لارڈ کچنر نے، جو وزیر جنگ ہیں اور برطانیہ کے سب سے بڑے سپاہی اور جنگ آزما سمجھے جاتے ہیں، فوج کو نہایت عمدہ اور مناسب ہدایتیں کیں کہ غیر ملک میں جا کر فرینچ قوم کے ساتھ اُن کا برتاؤ کیسا ہونا چاہیے۔ اُن ہدایتوں نے فوج کا دل بڑھا دیا اور اُس میں قومی جوش کی آگ بھڑکا دی۔

بیلجیم میں امدادی فوج کے دیر میں پہونچنے پر اعتراض اور جواب

اہل بیلجیم اور اکثر ان کے دوست انگریز وغیرہ یہ سوال کرتے ہیں کہ کیوں برطانیہ اور فرانس نے اپنی فوجیں پہلے بیلجیم میں نہ بھیج دیں کہ وہ دریائے میوز پر جرمن کو روکیں اور اُن کو عبور نہ کرنے دیں اور بیلجیم کی تباہی جو امدادی فوجیں پہونچنے سے پہلے ہوئی نہ ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرانس میں بڑے بڑے فوجی سرداروں کو یقین تھا کہ اگر بیلجیم کی سرحد کو جنگ کا صدر مقام بنایا جائے گا تو بیلجیم اور فرانس ہمیشہ کے لیے پامال ہو جائیں گے۔ جرمن کا مقصود تو یہ تھا کہ جس قدر جلد ہو سکے پیرس میں پہونچ جائے اور فرانس کی طاقت بالکل توڑ دے، بیشتر اس کے کہ روس اپنے دوست فرانس کو مدد دے سکے۔ اور فرانس کا ارادہ یہ تھا کہ جرمن حملہ کو روکے اور پھر جواب میں جرمن کے علاقوں پر حملہ کرے۔ ۱۸۷۰ء سے فرانس نے دو خیال اپنے ذہن میں نقش کر رکھے تھے

ایک یہ کہ آلسس لورین (Alsace Lorraine) کو دوبارہ
فتح کرے جو اُس کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ اسی وجہ سے
فرانس نے اپنی فوجیں پوربی سرحد پر جمع کیں یعنی بیلفورٹ
(Belfort) سے لانجوی (Langvey) تک۔ اور دوسرا
خیال یہ تھا کہ کسی حال میں اپنی فوجیں جابجا تقسیم نہ ہونے دے
بلکہ ایک جگہ جمع رکھے تاکہ طاقت کم نہ ہو جائے سنہ ۱۸۷۰ء میں جو
شکستیں فرانس نے بمقابلہ جرمن کے کھائیں وہ اس وجہ سے تھیں کہ فوج کے
ٹکڑے علیحدہ علیحدہ موقعوں پر تھے۔ جرمن نے ہر فوج پر غلبہ حاصل کر لیا
اگر فرانس کی کوشش یہ ہوتی کہ بیلجیم اور فرانس کے سب علاقوں کو
حملہ سے محفوظ رکھے تو اُس کو ضروری تھا کہ بیلفورٹ
(Belfort) سے نامور تک اور نامور سے دریائے میوس کے کنارے
کنارے لیج تک اپنی فوجیں قائم کرتا۔ اگر اس لین کو وہ اپنے
قبضہ میں رکھتا تو جرمن کے لیے ناممکن ہو جاتا کہ وہ بیلجیم پر حملہ کرتا
لیکن یہ طریق اختیار کرنے میں فرانس کی فوجیں دو حصوں میں تقسیم
ہو جاتیں جن میں سے ہر ایک حصہ پر جرمن جب چاہتا غلبہ کر لیتا۔
فرانس نے جو یہ تجویز سوچی تھی کہ اپنی فوجیں تقسیم نہ ہونے دے گا یہ بھی
اعلیٰ درجہ کے نقصان سے خالی نہ تھی۔ سب سے پہلے تو یہ نقصان تھا
کہ بیلجیم میں جرمن بہت کثرت سے پھیل جاتے۔ دوسرا نقصان یہ تھا کہ
اگر جرمنی اپنی فوجیں سمندر کے کنارے تک لے آئے تو وہاں سے بآسانی

شمالی فرانس کے اُن حلقوں میں جہاں صنعت و حرفت کے کارخانے ہیں یا جہاں کانیں کھودی جاتی ہیں گھس پڑے یا جب چاہے اُنکو غارت کرے۔ فرنچ جنرلوں کو یہ سب معلوم تھا لیکن وہ مجبور تھے کہ فوجوں کو دو طرف تقسیم نہیں کر سکتے تھے اور اِس بات کی سخت ضرورت تھی۔ فرانس یہ خوب سمجھتا تھا کہ جتنے عرصہ تک جرمن فوج کو روکے رہے گا اور اپنی فوجوں کو جابجا تقسیم نہ ہونے دیگا اُسی قدر اچھا ہے کیونکہ برطانیہ نے سمندر کی طرف جرمنی کی راہ روک دی تھی اور فرانس کو مہم روانہ کردی تھی کہ خشکی کی لڑائی میں مدد دے۔ ادھر یورپ کی طرف سے روس اپنا ٹڈی دل لشکر جرمنی کے مقابل لا رہا تھا جو ایسے ساز و سامان سے آرہا تھا کہ جرمنی کو اُس کا مقابلہ دشوار تھا۔

روس کو جاپان کی لڑائی سے سبق حاصل ہوچکا تھا اور اُس نے اپنی فوج نئے سرے سے آراستہ کرلی تھی اور جنگ کے طریقوں میں بہت کچھ اصلاح کی تھی اور اب اُس کی فوج دُنیا میں ایک نہایت زبردست ساز و سامان سے آراستہ اور تعداد میں نہایت کثیر سمجھی جاتی تھی۔ اُس نے جاپان سے صلح ہوجانے کے بعد اس بات کی تحقیقات کی کہ کیوں اُس کی فوج نے جاپان کے مقابلہ میں شکستیں کھائیں اور ذلت اُٹھائی۔ اُس نے بڑے بڑے جنرلوں کو عہدوں سے علیحدہ کیا اور فوج کے ٹھیکہ داروں کو جنھوں نے ایسی قومی اور ملکی مصیبت کے وقت اپنا ذاتی فائدہ بیجا طور پر حاصل کیا تھا، بے رحمی سے

ہرائیں دیں۔ سنہ ۱۹۱۰ء سے روس کی کوشش خاص طور پر یہ رہی کہ جرمنی اور آسٹریا کے مقابلہ میں اپنی سلطنت کی حفاظت کرے پس فرانس نے روس اور برطانیہ کی فوجوں کی آمد کا خیال کرکے اپنی فوجوں کی نقل و حرکت تجویز کی تھی اور اس لیے آلسس لورین (Alsace Lorraine) پر بہت بڑے لشکر سے حملہ کر دیا تھا جہاں فرانس خیال کرتا تھا کہ جرمن کی فوج زیادہ تعداد سے مقابلہ پر آئیگی۔ فرانس یہ یقین رکھتا تھا کہ ان دونوں صوبوں کی رعایا ہمارے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرنے اور جرمن کی حکومت سے نکل جانے کو تیار ہے۔ اُس نے یہ تجویز کی تھی کہ بڑی فوج صوبہ لورین (Lorraine) میں رہے اور چھوٹی فوج جرمن کو اُتر کی طرف روکے رہے فوج کے چند دستے بیلجیم کی مدد پر رہیں۔ پیدل سپاہ کے دستے نامور (Namur) کی طرف بڑھیں اور دریائے میوس کے پار جرمن کو آنے نہ دیں سواروں کے رسالے بیلجیم کے درمیانی حصہ تک پہونچ کر جرمن کے سواروں کو پیچھے ہٹا دیں اور آمد و رفت کے راستوں پر امدادی فوجوں کو جو علاقوں سے آئی تھیں تعینات کر دیا جائے۔

لیج پر حملہ کرنے کے بعد، جس کا ذکر ہو چکا ہے، شہنشاہ جرمن نے ملکہ ہالینڈ کے ذریعہ شاہ بیلجیم کے پاس پیام بھیجا کہ اگر بیلجیم مقابلہ نہ کرے اور فرانس پر فوج جانے کے واسطے راہ دیدے تو بیلجیم کے باشندوں کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا جائے گا اور اُس کی سلطنت بحال و

برقرار رہے گی۔ شاہ بیلجیم نے انکار کیا اور کہا کہ فرانس، برطانیہ اور روس ہماری مدد پر ہیں اور اگر وہ ہم کو تباہی اور بربادی سے بچا نہ سکیں تب بھی ہماری بات اسی میں رہتی ہے کہ ہم مقابلہ کریں اور پیچھے نہ ہٹیں تاکہ دنیا میں نام رہ جائے ؂

جوانمرداں نہ پیچند از سخن رو
ہمی میداں ہمی چوگاں ہمی گو

رعایائے بیلجیم کو اوّل تو جرمن سے ویسے ہی نفرت تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ ہر گاؤں اور ہر قصبہ سے جرمن کے ظلم و ستم کی خبریں آرہی تھیں ان سے وہاں کے باشندوں کو اور بھی غصہ پیدا ہوا اور تمام قوم یکدل ہو کر اپنے ملک کو بچانے کے لیے تیار ہو گئی۔ شاہ بیلجیم جو نہایت سادہ مزاج اور بہادر ہیں اس موقع پر پیشوا بنے اور بادشاہی کی شان و شوکت چھوڑ کر بغیر کسی جلوس اور ہمراہیوں کے، اپنے لشکر کے سپاہیوں کے ساتھ ساتھ رہ کر سب کی ہمت بڑھائی اور اسی طرح رہنا اختیار کیا جس طرح معمولی سپاہی رہا کرتے ہیں۔

جب بیلجیم کا لشکر مقابلہ کرنے نکلا تو اس ملک کے کاہن صلیبیں لیے ہوئے لشکر کے پہلو بہ پہلو تھے اور ہمت دلاتے تھے کہ مذہب کے لیے شہید ہو جانا چاہیے۔ مگر بیلجیم بلکہ تمام دنیا کو معلوم ہو گیا کہ اعلیٰ درجہ کی بہادری، جانبازی اور قومی جوش یہ سب بیکار ہیں، جبکہ مقابلہ میں ایسی فوج کثیر ہو جو قواعد داں، زبردست اور جدید اسلحۂ جنگ سے آراستہ ہو۔ بیلجیم کی فوج ایک لاکھ تھی جو میدان جنگ میں کام دے سکتی

تھی اور اسّی ہزار قلعوں کی فوج تھی جو ۱۹۱۳ء میں نئے سرے سے ترتیب دی جا رہی تھی۔ لیکن کافی طور پر تیاری زمانۂ حال میں کبھی نہیں کی گئی۔ بجائے اس کے کہ فوجی طاقت پر بھروسا کیا جاتا بیلجیم ان حقوق پر بھروسا کرتا تھا جو عہد ناموں کے ذریعہ اُسے حاصل تھے۔ کبھی کبھی ملک کی حفاظت کے لیئے بڑی بڑی تجویزیں ہوتی تھیں۔ بہت روپیہ خرچ کرنا قرار پاتا تھا۔ لیکن اُن تجویزوں پر کبھی عمل نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی توپیں خریدی جاتی تھیں۔ مگر حوالگی کی نوبت نہیں آتی تھی نہ قلعے بنائے جاتے تھے جن پر وہ توپیں چڑھائی جائیں لیج اور نامور غیر محفوظ حالات میں تھے۔ سول گارڈ جس کی تعداد پچاس ہزار تھی اور جس کو قلعہ کی محافظت سپرد تھی اُس کا حال یہ تھا کہ جب جنگ شروع ہوئی اُس وقت اس کو موزر رائفل (Mauser Rifle) دیے گئے اور اُن کا استعمال کرنا اس کو سکھایا گیا۔ غرضکہ بیلجیم کی فوجی حالت بہت اصلاح کے قابل تھی اور جرمن کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتی تھی۔

اہل بیلجیم، فرانس اور برطانیہ کی مدد پر بھروسا کیے ہوئے تھے صرف یہ چاہتے تھے کہ حملہ آوروں کو روکے رہیں جب تک کہ اتحادی فوجیں پہونچ جائیں۔ فرانس کی سپاہ کی نقل و حرکت بہت آہستہ رہی جس سے جرمن کو موقع ملا کہ اپنے منشاء دلی کے مطابق اُس نے چاہا اور بیلجیم کی فوجوں کی طرف ایک بہت بڑا لشکر لا کر ڈال دیا۔ فرانس کی

فوج نامور پر بھی دیر میں پہونچی اور تعداد میں بھی کم تھی۔ بیلجیم کی محافظت جو فرانس نہ کر سکا اس کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ برطانیہ کی فوج میدان جنگ میں ساڑھے پانچ دن دیر کرکے پہونچی۔ اہل بیلجیم کا ارادہ یہ تھا کہ دریائے میوس (Muse) کی لین کو جس قدر عرصہ تک ممکن ہو بچاتے رہیں اور پھر اگر ضرورت ہو تو نامور (Namur) اور انٹورپ کے قلعوں میں پناہ لیں۔

جب جرمن کا لشکر بیلجیم میں داخل ہوا اُن کو امید تھی کہ ہم کو گذرنے کے واسطے راہ مل جائے گی اور شاید ہی کچھ مقابلہ ہو تو ہو۔ مگر اُن کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ یہاں کے باشندوں کو ہم سے سخت نفرت ہے اور ہر شخص مقابلہ پر آمادہ ہے اور جو چیز جس کے ہاتھ پڑی ہے اس کو وہ بطور ہتھیار کے ہمارے مقابلہ میں کام میں لاتا ہے اُنھوں نے اس کی تدبیر کی۔ جرمن کی پالیسی یہ رہی ہے کہ سول آبادی یعنی عام رعایا جس کا تعلق فوج سے نہیں ہے وہ ہرگز ہرگز شریک جنگ نہ ہو۔ چنانچہ ۱۸۷۰ء میں جب کہ فرانس اور جرمنی میں جنگ ہوئی تھی جرمنی نے اس حکمت عملی پر بہت سختی سے عمل کیا تھا۔ وہی عمل جرمن کو اس لڑائی میں بھی کرنا تھا مگر وہ سختی کی جو مہذب قوموں میں حالت جنگ میں نہیں برتی جاتی ہے۔ اُن زیادتیوں کا مفصل حال پہلے کچھ میں بیان کیا جا چکا ہے۔ یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں ہے صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ خود ایک جرمن نامہ نگار نے جرمن کے ظلم و ستم کی شہادت دی ہے جس کو

کافی ثبوت کہنا چاہیے۔ اس نے سرکاری طور پر سفیروں کے فوجی مصاحبوں کے ساتھ بیلجیم کے اُس حصہ کا سفر کیا جو جرمن فوج کے قبضہ میں تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ میں نے دو گانوں Herve اور Battice کا معائنہ کیا۔ وہ مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیے گئے۔ Herve میں پانچ سو مکانات تھے، اُن میں سے صرف انیس باقی رہ گئے ہیں۔ ہر جگہ لاشوں کے انبار لگے ہوئے ہیں اور جلاہند آتی ہے، گرجا کی عمارت اینٹ روڑے کا ڈھیر ہے۔ جو مکانات مسمار ہونے سے بچے ہوئے ہیں وہ ایسے ہیں جن پر نوٹس لگے ہوئے ہیں "ہم کو نہ مارو۔ ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں۔ ہماری جان چھوڑ دو، ہم بے گناہ ہیں" یہی حال لیج تک تمام راہ دیکھنے میں آیا ہے۔ غرضکہ جرمن قوم کے ظلم و ستم سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ موت کے فرشتے زمین پر اُتر آئے ہیں جنھوں نے لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا ہے، نہ بچوں کو چھوڑتے ہیں نہ عورتوں کو نہ مردوں کو۔ یا یہ کہ کوئی وبا پھیلی ہوئی ہے جس نے گانوں کے گانوں اور قصبے کے قصبے صاف کر دیے ہیں۔ یا وحشی فرقے ملک میں گھس پڑے ہیں جو انسان کے خون کے پیاسے ہیں اور لوٹنا مارنا پھونکنا اُن کا کام ہے، جن سے نہ عبادت گاہیں بچیں نہ کسی کا گھر۔

جرمن کا رسالہ قصبہ وسی سے گذر کر مقام Tangiers ہو نچا۔ بیلجیم کا جھنڈا ٹاؤن ہال پر لہرا رہا تھا۔ جرمن نے اُس کو گرا دیا۔ میونسپلٹی کے خزانہ پر قبضہ کر لیا اور ڈاک خانہ سے دس ہزار فرانک لیے اور پھر Hesselt کے مقام پر حملہ کر دیا۔ وہاں کی نیشنل بینک سے دو ملین

فرانک یعنی اسّی ہزار پونڈ چھین لیے گویا پورے طور پر ڈاکوؤں کا کام
کیا جس کی اجازت جنگ میں ہرگز نہیں ہے۔ ۱۲ر اگست کو
(Tirbmont) کے مقام پر دو ہزار جرمن سوار بڑھے اور ادھر سے
بیلجیم کے نیزہ برداروں نے مقابلہ کیا، لیکن جرمن مشین گن کی آگ
برداشت نہ کر سکے اور پیچھے ہٹ گئے۔ دوسری صبح جرمن نے پھر حملہ
کیا لیکن بیلجیم کی فوج نے وہ آگ برسائی کہ جرمن کچھ دور تک پسپا
ہوگئے۔ اس وقت ڈریگون (Dragoon) کے رجمنٹ نے مقام
Aineffe پر چھاپہ مارا۔ تین گھنٹے تک سخت لڑائی ہوئی جرمن
فوج پیچھے ہٹا دی گئی اور اس کے ۱۰۳ سپاہی مارے گئے اور ۱۰۲
گرفتار ہوئے۔ اسی طرح کئی موقعوں پر چھوٹی چھوٹی لڑائیاں دونوں
فریق میں ہوئیں، جن میں بیلجیم کو کامیابی ہوئی اور جرمن کا نقصان
زیادہ ہوا۔ کبھی توپیں چھین گئیں کبھی گھوڑے، کبھی رسد کا سامان
اہل بیلجیم کے ہاتھ آیا۔ دونوں طرف سے اعلیٰ درجہ کی بہادری ظاہر ہوئی
یہاں تک کہ جرمن کی شجاعت کا اقبال بیلجیم نے اور بیلجیم کی بہادری کا
اعتراف جرمن نے کیا۔ اہل بیلجیم کو اپنی فتح اور کامیابی کے باعث اپنے
اوپر بہت بھروسا ہوگیا اور جرمن نے سمجھا کہ جس دشمن کو بہت کمزور
سمجھتے تھے وہ ویسا کمزور نہ نکلا ع۔ دشمن نتواں حقیر و بیچارہ شمرد
تاریخ ۵ر اگست، جرمن سپاہ بہت کثیر تعداد میں بیلجیم کے وسط کی طرف
بڑھی۔ سواروں کے رسالے آگے آگے تھے اور ان کی آڑ میں پیدل

سپاہ چلی آتی تھی۔ دوسرے دن مقام Wavri سے ہالینڈ کی سرحد تک نہایت تیزی سے پھیل گئی اور مقام Tiffb mont پر بڑے زور سے گولا برسایا۔ جرمن کے ہوائی جہاز گرداوری کرتے تھے اور بیلجیم کی فوج جہاں جہاں تھی اُس کی ٹھیک ٹھیک جگہ کا پتہ گولہ اندازوں کو بتادیتے تھے جس کے باعث نشانہ بہت ٹھیک لگتا تھا بیلجیم کی سپاہ برداشت نہ کرسکی اور پراگندہ ہوگئی۔ تب جرمن سواروں نے اُن پر حملہ کرکے اُن کو ہلاک کرنا شروع کیا۔ وہاں کے باشندوں نے بھاگنا شروع کیا اور مقام Wavri سے پانچ میل پر ریل تھی وہاں جاکر ریلوں پر سوار ہوکر برسلس (Brussels) چلے گئے۔ وہاں بیلجیم فوج کی شکست و تباہی اور تمام رعایا کی ہلاکت کا حال پُرملال کہہ کر سب کو گھبراہٹ میں ڈال دیا۔

۱۹ اگست کو بیلجیم کی سپاہ نے لووین (Lovain) پر جم کر مقابلہ کیا۔ یہ مقام موقع کا تھا اور یہ سمجھا گیا تھا کہ یہاں دیر تک سخت مقابلہ ہوگا۔ مگر تھوڑی دیر بعد بیلجیم کی سپاہ میدان سے ہٹ آئی اور جرمن کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکی۔ جرمن کی فوج نہایت جوش و خروش سے آگے بڑھتی تھی۔ ہر سپاہی اپنی جان ہتھیلی پر لیے ہوئے تھا اُن کی زبردست توپیں بیلجیم کی فوج میں آگ برسا رہی تھیں اور مشینیں مینہ کی طرح بھونے ڈالتی تھیں اور ہوائی جہاز بم کے گولے آسمان سے پھینک رہے تھے۔ ایسے حملہ کو روکنے میں بیلجیم کا نقصان

بہت ہوا۔ تین رجمنٹیں نیست و نابود ہو گئیں۔ آخر میں بیلجیم کی سپاہ
منتشر ہو کر انٹورپ کے قلعوں میں پناہ گیر ہوئی اور دارالسلطنت
برسلس (Brussels) کو دشمنوں کے لیے کھلا ہوا چھوڑ گئی۔

جب جرمن سپاہ دارالسلطنت بیلجیم کی طرف آ رہی تھی وہاں کے
برگو ماسٹر نے باشندوں کو ہدایت کی کہ لڑائی سے باز رہیں اور بالکل
خاموش رہیں ورنہ برسلس پر مفت میں تباہی آ جائے گی۔ ۲۰ اگست کو
جب برگو ماسٹر موٹر پر سوار ہو کر جرمن سپہ سالار کے پاس گیا تو اس نے
برگو ماسٹر سے پوچھا کہ تم اپنا شہر بغیر کسی شرط کے ہمارے سپرد کرنے کو
تیار ہو یا نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ سوائے اس کے کہ میں اس کو
تسلیم کروں کوئی دوسرا چارہ نہیں ہے۔ تب سپہ سالار نے برگو ماسٹر
سے کہا کہ تم ذمہ دار ہو۔ کوئی شخص ہماری فوج سے بری طرح پیش آ گیا
ورنہ تم کو سزا دی جائے گی اور تمہارا خاندان اور اہل وطن عبرت خیز مصیبت
میں مبتلا ہو جائیں گے۔ آج ہماری فوج برسلس میں داخل ہو گی اس کے
بعد فوج جرمن چالیس ہزار جس میں سوار اور پیادے دونوں تھے
نہایت زرق برق سبز دھانی وردیاں پہنے ہوئے باجے بجاتی اور
قومی گیت گاتی ہوئی داخل ہوئی۔ آمد سے پہلے دور سے توپوں کی سلامی
کی آواز آئی۔ پھر بینڈ کی سریلی آواز سنائی دی اور ہراول نہایت
جلوس سے فتحمندی کے نشہ میں چور آگے بڑھا۔ اہل بیلجیم کی امید کے
خلاف ہر جرمن سپاہی نہایت تازہ دم، عمدہ اور نئے برق دم ہتھیار

لگائے سپاہیانہ شان سے اکڑتا چلا آتا تھا۔ گویا پریڈ کرنے جا رہا ہے شہر کے باشندے آن کو دیکھ کر عش عش کرنے لگے۔ جب لشکر جرمن دارالسلطنت میں داخل ہوا تو اُس نے عمدہ مقامات فوجی ضرورت کے اپنے قبضہ میں کر لیے اور اُسی برگوماسٹر کو شہر کے معمولی انتظام کے واسطے مقرر کیا لیکن اپنی طرف سے ایک سول گورنر اُس پر افسر کر دیا۔ اس کے بعد شہر سے اسّی لاکھ پونڈ یعنی ۱۲ کروڑ روپیہ جنگ کا خرچہ طلب کیا برگوماسٹر نے یہ جواب دیا کہ شہر کا سب خزانہ انٹورپ پہنچ دیا گیا ہے اس باعث یہ مطالبہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔ برسلس میں جرمن سپاہ داخل ہونے تک اس جنگ عظیم کا ایک درجہ ختم ہوتا ہے۔ اس کے آگے لڑائی نے دوسرا رنگ بدلا۔ اس وقت تک لڑائی بیلجیم کی سرحدوں کے اندر محدود تھی اور فوجیں بھی دونوں طرف بہت زیادہ نہ تھیں۔ آگے جو لڑائیاں ہوئیں وہ فرانس اور برطانیہ کے لشکر عظیم اور جرمن کی سپاہ کثیر میں، پہلے بیلجیم کی سرحد پر اور بعد میں فرانس کی سرزمین پر ہوئیں۔

آلسس Alsace میں فرانس کے جارحانہ حملے

جب فرانس نے اپنی سپاہ بیلجیم کی مدد کو بھیجی، اُس کے ساتھ ساتھ Belfort مقام سے (جہاں فرانس، جرمنی اور سوئٹزرلینڈ تینوں کی سرحدیں ملتی ہیں) ایک بریگیڈ السس میں بھیج دیا جس نے وہاں پہنچتے ہی Altkirk پر قبضہ کر لیا اور جنرل جوفرے نے، جو کل لشکر فرانس کا قائد اعظم یعنی

کمانڈر انچیف تھا، یہ اشتہار دیا کہ ہم ۴۴ برس تک اس موقع کا انتظار نہایت افسوس کے ساتھ کرتے رہے کہ تمھارے ملک میں آئیں۔ اب ہم سب کو نہایت خوشی ہونا چاہیے کہ ہم نے آج اپنے دشمن جرمن سے بدلہ لیا اور تم کو جرمن کی ظالمانہ حکومت سے نجات اور آزادی ملی۔ آلسس کی عمر دراز ہو اور فرانس کو فتح نصیب ہو۔

اکثر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب بیلجیم میں فوج بھیجنے کی اشد ضرورت تھی تو کیوں آلسس پر حملہ کیا گیا اور سپاہ کا بڑا حصہ اس طرف سے جرمن پر حملہ کرنے کو بھیج دیا گیا۔ بڑے تجربہ کار جنرلوں اور مشہور مدبروں کی رائے ہے کہ جنرل جفر نے جو کچھ کیا اس وقت یہی مناسب تھا۔ فوجی ضرورتیں اور ملکی مصلحتیں دونوں اسی کی مقتضی تھیں کہ آلسس پر حملہ کیا جائے۔ اول یہ کہ چونکہ آلسس اور لورین کے باشندے جرمن کی حکومت کو پسند نہ کرتے تھے، اس لیے یقین تھا کہ وہ فرانس کی رعایا بننا پسند کریں گے۔ دوسرے یہ کہ ان صوبوں کی طرف سے سیدھا راستہ فرانس میں گھس پڑنے کا جرمن کو حاصل تھا، اس لیے مناسب تھا کہ دونوں صوبوں کی رعایا کو جرمن کے خلاف ابھار دیا جائے تاکہ اس طرف سے جرمن کا حملہ بالکل رک جائے۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ چالیس برس سے تمام مہذب دنیا جرمنی کو آداب جنگ و حرب اور شیوہ طعن و ضرب کا استاد سمجھ رہی تھی۔ جاپان، ترکی، یونان وغیرہ جرمنی ہی سے سپہ سالار بلا بلا کر اپنی فوجوں کو فن جنگ سکھواتے تھے اور فرانس

سنہ ۱۸۷۰ء کی شکست کے باعث عام نظروں میں کمزور و حقیر سمجھا جاتا تھا۔ البتہ زمانۂ حال میں بلقان کی بعض عیسائی ریاستوں نے پیرس کو فن حرب کا مرکز تسلیم کر لیا تھا۔ پس جنرل جفر نے مناسب سمجھا کہ Alsace پر قبضہ کر کے اپنی پوری قوت کا اظہار کر دیا جائے اور جرمن کو عام نظروں میں کم وقعت کر دیا جائے اور جو شکستیں سنہ ۱۸۷۰ء میں کھائی تھیں اُن کی یاد فرنچ قوم کے دلوں سے بھول جائے اور ملک کی تمام رعایا سمجھ لے کہ سنہ ۷۰ء میں فوج کے سرداروں نے یہ بڑی غلطی کی تھی کہ جرمن کے حملوں کو فقط روکتے رہے بلکہ خود جرمن پر حملہ کر دینا چاہیے تھا اور اس صورت میں فرنچ کو کامیابی ضرور ہو جاتی۔

سب سے پہلے فرنچ نے یہ کوشش کی کہ جرمن کو Thame اور Altkirk دونوں مقامات سے نکال دیا۔ باوجودیکہ جرمن مورچے بنائے ہوئے تھے اور تعداد میں بھی فرنچ کے برابر تھے، لیکن فرنچ نے دونوں مقامات فتح کر لیے۔ دوسرے دن یعنی ۸ر اگست کو فرنچ مقام Mulhausen کی طرف بڑھے اور شام ہوتے ہوتے اُس میں داخل ہو گئے۔ اُن کی آمد پر وہاں کے باشندوں نے نہایت خوشی ظاہر کی۔ لیکن دوسرے دن جرمن نے بڑی جماعت سے دو طرف سے فرنچ پر حملہ کیا اور سپاہ کی آمد و رفت کی راہ بند کرنا چاہی اس لیے فرنچ کے سردار فوج نے یہی مصلحت دیکھی کہ واپس جائے

یہ بھی ثابت ہوا کہ جرمن کی فوج الساس میں بہت زیادہ تھی۔ جب
سپاہ واپس آئی تو جنرل جیفر کی رائے ہوئی کہ ابھی تک تو صرف
چھاپا مارا ہے لیکن اب الساس پر مہم بھیجی جائے تاکہ جرمن کے
لیے الساس اور لورین کی طرف حملہ کرنا مشکل ہو جائے۔ جنرل پاؤ
جو ۱۸۷۰ء میں جنگ فرانسہ اور جرمنی میں شریک رہ چکا تھا اسکو
یہ مہم سپرد ہوئی۔ شروع میں فرینچ کو کامیابی زیادہ ہوئی Thame
Mulhausen پھر فتح کر لیے گئے اور
اور Altkirk
پر بھی قبضہ کر لیا اور جرمن بہت بد حواسی کے ساتھ پیچھے
ہٹ گئے۔ اُن کی ۲۴ توپیں فرینچ نے چھین لیں جرمن نے مجبور
ہوکر آسٹریا کو اپنی مدد پر طلب کیا۔ فرینچ قوم نے اس فتح پر
نہایت خوشی منائی۔ اسٹراس برگ (Strassburg) کی
تصویر سنگی پر جو ۱۸۷۱ء سے کالا ماتمی کپڑا رنج و غم کی نشانی کے
طور پر پڑا ہوا تھا وہ اُتار ڈالا گیا۔ کئی اور مقامات پر جن کا ذکر طول
خالی نہیں ہے، فرینچ کو کامیابی نصیب ہوئی خصوصاً وادی Bruche
میں پندرہ سو جرمن گرفتار کیے اور بارہ توپیں جرمن کی چھین لیں
اور آٹھ (Mitrailleuses) مس رائیز بھی (یہ ایک قسم
کی توپ ہوتی ہے جس میں کئی نالیں ہوتی ہیں) نتیجہ یہ ہوا کہ الساس
کے اوپر کے حصے سے جرمن نہایت بد حواسی سے ہٹ گئے اور بہت
سامان رسد اور سامان جنگ چھوڑ گئے۔

لیکن افسوس کہ جو خوشی پیرس (Paris) میں منائی گئی وہ زیادہ دنوں قائم نہ رہی اور رنج سے بدل گئی۔ جرمن نے بہت فوج جمع کرکے ۲۰ ر اگست کو یعنی اسی دن کہ جب برسلس (Brussels) میں داخل ہوئے تھے لورین (Lorraine) میں فرینچ پر غلبہ حاصل کرلیا اور دس ہزار فرینچ گرفتار کیئے اور پچاس توپیں فرینچ کی چھین لیں۔ فرینچ کو Naney کی طرف لوٹنا پڑا۔ دو دن بعد فرینچ کو السس سے بھی ہٹ جانا پڑا اور Mulhansen اور Donan وغیرہ چند مقامات خالی کردینا پڑے جن پر جرمن نے قبضہ کرلیا۔ جرمن نے پیرس پر نہایت تیزی سے اور بڑی زبردست سپاہ سے حملہ کیا۔ جس کے باعث جنرل پو (Pau) جس کو السس کی مہم سپرد ہوئی تھی، پیرس آیا اور اس کی حفاظت میں مصروف ہوگیا اور اس کے آنے کا یہ اثر ہوا کہ جرمن پیرس کا محاصرہ نہ کرسکے۔ جرمن کی فتح جو لورین (Lorraine) میں ہوئی اس کی خبر جب برلن (Berlin) اور آسٹریا میں پہونچی تو دونوں جگہ بڑی خوشی منائی گئی۔

پیرس پر جرمن کا حملہ اور جنگ نامور دشال را و مانس

جرمنی کو ۱۸۷۰ء کے واقعات یاد تھے کہ پیرس کے فتح ہونے سے گویا فرانس پر پورا غلبہ ہوگیا تھا، لہذا اس کو امید تھی کہ اب بھی پیرس کو فتح کرلینے سے وہی اثر ہوگا۔ اسی خیال سے اس نے یہ تجویز سوچی تھی کہ بیلجیم سے بہت تیزی سے

گذر کر پیرس پر چڑھائی کرنا چاہیے۔ فرانس نے ۱۸۷۰ء کے بعد
نو کروڑ پونڈ خرچ کر کے اپنی سرحدوں پر قلعے بنا کر اپنے ملک کی
محافظت جرمنی کے مقابل میں کر دی تھی۔ فرانس کی پوربی سرحد
کی طرف سے حملہ ہونے کا خوف زیادہ تھا اور شمالی سرحد کی طرف
سے کم تھا۔ کیونکہ شمالی سرحد پر بیلجیم واقع تھا جس کی نیوٹرلیٹی
(Noutrality) یعنی علیحدگی و غیر جانبداری بحالت جنگ، کی
ضمانت، فرانس، جرمنی اور برطانیہ نے کی تھی۔ چونکہ بیلجیم کی طرف سے
حملہ کا خوف کم تھا اور قلعوں کے بنانے میں روپیہ کا خرچ زیادہ
تھا اس لیے شمال کی طرف کی سرحد پر فرانس زیادہ مضبوطی اور
حفاظت نہ کر سکا۔ جرمنی خوب جانتا تھا کہ اگر اُتر کی طرف یعنی بیلجیم کی
طرف سے فرانس پر حملہ کیا جائے گا تو فرانس اس کو روک نہ سکے گا اور
جرمن کی فوج بڑھتی ہوئی پیرس تک پہونچ جائے گی۔ لیج اور نامور پر
قبضہ کرنا جرمن کے واسطے ضرور تھا کیونکہ بغیر اس کے بیلجیم سے
فرانس تک جو ریل کی لائن گئی ہے اُس پر کچھ اختیار جرمن کا نہیں
ہو سکتا تھا۔ جرمن زیادہ جلدی اس وجہ سے کر رہا تھا کہ پیشتر اسکے
کہ روس مدد کو پہونچے فرانس پر غلبہ حاصل کرلے۔

نامور لیج کی طرح محفوظ جگہ تھی اور جابجا مضبوط قلعے تھے۔
پچیس ہزار فوج نامور میں تھی جس کا سردار جنرل میکل تھا۔ اس کا
بیان ہے کہ ۲۸ C. M. توپوں نے ہمارے قلعوں کو توڑ دیا۔ اسقدر

دنا دن توپوں کی مار تھی کہ جو کچھ قلعوں کی ٹوٹ پھوٹ ہوتی تھی۔ اُس کی
مرمت ہم لوگ نہیں کر سکتے تھے۔ دس گھنٹے تک اہل بیلجیم نے وہ
آگ برداشت کی جو اُن پر برس رہی تھی اور کوئی جواب نہ دے سکے۔
جس نے ٹوٹی پھوٹی فصیل سے سر باہر نکالا تراق سے گولا لگا۔ افسر بہت
کثرت سے ہلاک ہوئے۔ آخر کار بیلجیم کی فوج مقابلہ کی تاب نہ لا سکی اور
جہاں جس کے سینگ سمائے چل دیا اور فوج اپنے مورچے خالی کر گئی
پھر اور قلعوں کی طرف جرمن بڑھے۔ اُن کا بھی یہی حال ہوا۔ قلعہ سورلی
(Saurlee) پر جرمن نے ۲۳ اگست کو چھ گولے مارے۔ گولے کا
وزن ۷۵۰ پونڈ تھا۔ ۲۴ اور ۲۵ کو تیرہ اور چودہ سو گولے
مارے اور یہ گولے وہی ۲۸ C.M Howitzer سے مارے۔
تین دن میں یہ قلعہ فتح ہو گیا اور جس قدر سنگین برج قلعوں کے تھے
سب مسمار ہو گئے۔ غرضکہ جنرل میکل نے چار روز تک دس گنی فوج
جرمن سے مقابلہ کیا جب اُس نے دیکھا کہ زیادہ ٹھہرنے میں قلعہ کی سب
فوج ہلاک ہو جائے گی تو اس نے اور قلعوں سے فوجیں لانا شروع کیں۔
لیکن جب یہ دیکھا کہ جاسوسوں نے زمین کے اندر کا ٹیلی فون توڑ دیا
تو اُس نے پھر یہ ارادہ کیا کہ جس قدر فوج کو واپس لے جا سکے اُسی قدر
بہتر ہے۔ مگر چونکہ فوج کے مختلف سردار نامور سے باہر جانے کے لیے
اپنی فوجیں لڑتے بھڑتے نکال رہے تھے۔ بہت سپاہی ضائع ہوئے۔
نامور کے چھوڑنے اور فوج واپس لے جانے پر بہت اعتراض کیے

گئے ہیں ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر بارہ گھنٹے فوج اور نامور میں رہتی تو ایک سوار اور ایک توپ بھی نہ بچتی ۔

اس کے بعد جرمن کی فوج نے شہر شال ریا پر حملہ کیا ۔ یہ وہ شہر تھا جس کے راستہ سے نپولین ۱۵ جون ۱۸۱۵ء کو گذرا تھا ۔ اس وقت سے اس وقت تک سو برس کے عرصہ میں اس شہر میں بہت فرق آگیا تھا ۔ لوہے اور کانچ ڈھالنے کے کارخانے یہاں بہت کثرت سے تھے ۔ ۲۱ اگست ۱۹۱۴ء کو بیس جرمن ہسار (Hussars) اس مقام میں داخل ہوئے اور اپنے آپ کو برٹش سوار کہہ کر دریائے سیمبر (Sambre) کی طرف گھوڑے پویا نے گئے لیکن فرنچ افسر نے ان کو پہچان لیا اور دو آدمی ان میں سے قتل اور تین زخمی کیے اور مار کر نکال دیا ۔ دوسرے دن جرمنی نے شال ریا پر یورش کی ۔ ۲۳ اگست کو قصبہ کے اندر سخت لڑائی ہوئی اور ۲۴ اگست کو سخت مڈبھیڑ ہوئی ۔ ایک طرف پروشین گارڈ (Prussian guard) تھے اور دوسری طرف فرانس کی سپاہ الجزائر و سینگال (Senegal) ۔ جرمن کا نقصان بہت زیادہ ہوا ۔ لیکن ایک ویران فیکٹری میں جو توپیں جرمن نے لگا رکھی تھیں ان کے باعث جرمن کو فرنچ پر غلبہ ہوگیا اور فرنچ کی سپاہ نے واپس آنا شروع کیا اور دریائے سیمبر (Sambre) نامور سے موبانج (Maubeuge) کے نواح تک جرمن کے قبضہ میں آگیا ۔

اب یہاں سے برطانیہ کی سپاہ کا حال لکھا جاتا ہے جو دریائے سیمبرے
اُتر کی طرف مقامات موبانج (Maubeuge) اور Cande
کے درمیان تھی۔ مانس (Mons) کے نواح میں برطانیہ کی فوج اچھا
کام کر رہی تھی۔ مانس پر قبضہ رکھنے کا کام برٹش فوج کے سپرد کیا گیا
تھا جس سے سر جان فرینچ کو بہت خوشی تھی۔ کیونکہ مانس ایک ایسا
مقام تھا کہ اسی کے آس پاس بہت بڑی فتوحات اور کامیابیاں
برٹش نے اٹھارھویں صدی کے شروع میں حاصل کی تھیں۔ مانس سے
تین میل کے فاصلہ پر جنوب کی طرف مال پلے (Malplaqust) کا
مقام ہے جہاں ڈیوک آف مارل برا نے لوئی چہاردہم کے مقابلہ
میں سب سے آخری اور بڑی نمایاں فتح حاصل کی تھی۔ اسی طرح
واٹرلو (Waterloo) کا مقام بھی وہاں سے قریب برسلس
(Brussels) کی راہ میں ہے۔ جہاں ڈیوک ولینگٹن نے سب سے
پہلے بڑی فتح نپولین کے مقابلہ میں پائی تھی۔

بہ تحقیق معلوم ہوا تھا کہ ایک لاکھ جرمن برٹش فوج کی طرف
بڑھ رہے ہیں۔ ۲۲ اگست کو برٹش سواروں کا رسالہ اُتر کی طرف بڑھا اور
واٹرلو سے ایک کوس کے فاصلے پر پہونچا تھا کہ وہاں اولانس (Uhlans)
اور برٹش Hussars کی سپاہ سے مڈھ بھیڑ پیش آئے اور اُن میں
امتحان ہو گیا کہ تلوار اور گھوڑے کے کرتب میں جرمن فرداً فرداً
برٹش کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ Sir Philip Chetwoode

سردار فوج نے ٹھیک کہا کہ ہمارے آدمی دشمن کی فوج میں ایسے
گھستے ہیں جیسے چاقو بادامی کاغذ کو کاٹتا چلا جاتا ہے۔ سر جان فرنچ
نے اسی ہزار سپاہ لڑائی کے لیے نکالی۔ ۲۳ اگست ۱۹۱۴ء اتوار کے دن
مقام مانس پر برٹش فوجیں جمع ہوئیں۔ تیسرے پہر جرمن مقابلہ پر آئے
اور نہایت سخت حملہ Sir Douglas Haig کے دستہ سپاہ پر
کیا۔ برٹش جنرل نے اپنے بازو کی فوج کا حصہ پہاڑیوں میں Bray
کے جنوب کی طرف ہٹا لیا اور سواروں کے رسالے نے اپنی جگہ چھوڑ کر
جنوب کی طرف رخ کیا۔ آٹھ لاکھ فرنچ سپاہ نے سرحد کے کنارے
کنارے لوٹنا شروع کیا اور پندرہ لاکھ جرمن فتح کی خوشی میں پھرے
ہوئے ان کا پیچھا کرتے آتے تھے۔ ایسی صورت میں اسی ہزار برٹش
سپاہ اس زبردست ریلے کو کیونکر روک سکتی تھی۔ مانس کے اس
پاس جرمن گولہ اندازوں کو بظاہر بڑی کامیابی ہوئی۔ توپوں کی
لڑائی میں برٹش سپاہ جرمن کے مقابلہ میں ویسے ہی ناکام رہی جیسے کہ
اہل بلجیم نامور میں رہے تھے۔ برٹش کے بڑے تجربہ کار اور جنگ آزما
افسروں کا قول تھا کہ ٹرانسوال کی جنگ میں جو سخت سے سخت مقابلہ
برٹش کو مقام Spionkop اور دریائے ماڈر پر کرنا پڑا تھا وہ
بھی ان معرکوں کے آگے کوئی چیز نہ تھا جو اس وقت مقام مانس پر
انگریزوں کو پیش آئے۔ جرمن توپوں کی آواز دنا دن ایسی ہولناک
تھی کہ کلیجے دہلتے تھے اور بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ یہ معلوم

ہوتا تھا کہ ایک گرم ہوا کا طوفان ہے جس کے ساتھ آگ برس رہی ہے
اور بجلی کی چمک اور بادل کی گرج ساتھ ساتھ ہے اور جہاں گراب
گرتے تھے وہاں بھونچال آجاتا تھا۔ ایسے وقت میں توپوں کی پرشور
آواز سے کان بہرے ہوئے جاتے تھے اور فیر کے صدمے اور دھماکے
سے زمین ہل رہی تھی اور انگریزی سپاہ کے چاروں طرف گولوں اور
گولیوں اور گراب کا مینہ برس رہا تھا۔ برٹش سپاہیوں کا یہ حال تھا
کہ ذرا بھی نہیں گھبراتے تھے اور نہایت استقلال اور اطمینان کی حالت
میں خندہ پیشانی یہ بحث کر رہے تھے کہ فلاں امریکن پہلوان نے جو
فلاں انگریز کے مقابلہ سے اپنی جان بچائی اُس کی وجہ نامردی تھی
یا کچھ اور۔ سپاہ انگریزی گو موت کے منہ میں تھی، مگر اس کو نہایت
حقارت سے دیکھتی تھی اور اپنے افسروں پر پورا بھروسا رکھتی تھی کہ وہ
ہمارے لیے سب کچھ کر رہے ہیں جو انسانی طاقت سے ممکن ہے۔ جرمن نے
یہ خیال کیا تھا کہ مورچوں میں کوئی سپاہی بچا نہ ہوگا۔ لیکن انگریزوں
نے جنگ ٹرانسوال میں یہ سبق سیکھا تھا کہ مورچے ایسے بنائے تھے
کہ بڑی توپوں کے گراب سے اُن کو زیادہ نقصان نہ پہونچے۔
جرمن یہ سمجھ کر کہ برٹش سپاہی سب مردہ یا زخمی ہوں گے مورچوں پر
قبضہ کرنے کے لیے بڑھے۔ جب زیادہ قریب آ گئے تب انگریزوں نے
توپوں سے اُن کی خبر لی اور چاروں طرف لاشیں بچھا دیں۔ لیکن
جرمن نے بہت فوج آگے بڑھائی جو آندھی کی طرح بڑھتی چلی آئی

اور کسی چیز سے نہ رکی۔

غرضکہ بالنس کی لڑائی آخر تک اُس کامیابی کے ساتھ قائم نہ رہی جو پہلے ہوئی تھی۔ وجہ یہ ہوئی کہ فرانس کی فوج دریائے سیمبر (Sambre) کے اُس حصّہ پر جو نامور اور شارل را کے درمیان ہے قبضہ نہ رکھ سکی اور یہ بات انگریزی افواج کے خلاف پڑی۔ جب جرمن فوج دریائے سیمبر کی راہ سے آگے بڑھی تو فرنچ سپاہ جنوب کی طرف واپس ہٹی۔ اگر انگریزی سپاہ وہاں سے ہٹ نہ جاتی تو جرمن فوج اُس کے داہنے بازو پر حملہ کرتی اور زیادہ نقصان پہونچاتی، اس لیے انگریزوں نے مناسب سمجھا کہ فرنچ کی سرحد پر واپس آجائیں اور اُسی لین میں رہیں جہاں فرنچ سپاہ ہٹ کر واپس آگئی تھی۔ اگر فرنچ نے مقام شارل را پر قبضہ کر لیا ہوتا تب بھی برٹش کی حالت نہایت نازک اور خطرناک ہوتی۔ کیونکہ مانس کو جرمن نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

جنرل جفر Jaffer نے سر جان فرنچ کو اطلاع دی کہ کم سے کم تین Army corps ۲۳ اگست کو برٹش کے مقابل کی طرف آرہی ہیں اور ٹورنے (Tournai) کی طرف سے دوسری سپاہ آرہی ہے جو بازو سے حملہ کرے گی۔ یہ خبر صحیح ثابت ہوئی اور معلوم ہوا کہ تین لاکھ جرمن بڑھتے ہوئے آرہے ہیں اور توپوں کی تعداد اُن کے ساتھ برٹش توپوں سے چوگنی ہے۔ چونکہ

انگریزی سپاہ اسی ہزار تھی لہذا بڑی خوش تدبیری اسی میں تھی کہ بے فائدہ نقصان سے فوج کو بچایا جائے۔ پس برٹش جنرل یعنی سر جان فرنچ نے بڑی خوبی اور لیاقت سے سپاہ کو واپس لاکر فرنچ سرحد پر ڈال دیا۔ غرضکہ انگریزی سپاہ کی Retreat یعنی واپسی اسی طرح نہایت اعلیٰ درجہ کی تاریخی یادگار ہے، جس طرح دس ہزار فوج یونانی کی واپسی یونانی جنرل زانوفن کی کمان میں ہوئی تھی۔

جنگ عظیم پر تیسرا لکچر

(تحریری)

سرویا کس طرح اپنے زبردست دشمن آسٹریا سے مقابلہ کو آمادہ ہوا۔

فرنچ اور برٹش کے معرکے بمقابلہ جرمن دوسرے لکچر میں مذکور ہو چکے ہیں۔ اُن کو چھوڑ کر آسٹریا اور سرویا کی جنگ کا بیان کیا جاتا ہے۔ جب آسٹریا نے سرویا کے مقابلہ پر اعلان جنگ کیا اس وقت سرویا کی حالت بلقان کی سب ریاستوں کی طرح نہایت ابتر ہو رہی تھی۔ خزانہ خالی تھا۔ رعایا لڑتے لڑتے تھک چکی تھی۔ چالیس لاکھ رعایا بلقان کی جنگ میں اپنا خون آب باراں کی طرح بہا چکی تھی۔ اس کے سوا آسٹریا کی پالیسی کے باعث ایسی سازشوں کا زمانہ آگیا تھا کہ سرویا کو ایک دم چین نہ ملتا تھا۔ ٹرکی کے مقابلہ میں سرویا تھک چکا تھا کہ دوسری لڑائی اتحادی فوجوں کے باہم جو ہوئی اس میں رہی سہی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ سرویا ایک صدی سے آسٹریا کو اپنا دشمن سمجھ رہا ہے جس نے سروین قوم کی اپنی رعایا کو غلامی کی حالت میں رکھا ہے اس وجہ سے سرویا ہمیشہ آسٹریا سے ڈرتا رہا اور اس سے نفرت کرتا رہا ہے اور بموجب اس مقولہ کے کہ "ازاں مار بر پائے راعی زند کہ ترسد سرش را بکوبد بسنگ" یہ چاہتا رہا ہے کہ آسٹریا کو تباہ و برباد کر دے۔ جب آسٹریا کی طرف سے لڑائی کا اعلان ہوا تو سرویا نے سمجھا کہ اب میرا خاتمہ ہوا چاہتا ہے لہٰذا اس کا

ہر مرد و عورت، پیر و جوان اپنی جان و مال سے تیار ہو گیا کہ کسی طرح سرویا کو فتح حاصل ہو۔

روس نے سرویا کو پہلے سے اطلاع دی تھی کہ کسی نہ کسی بہانہ اور حیلہ سے ۱۹۱۴ء میں آسٹریا ضرور سرویا سے لڑائی ٹھانے گا اور خود بھی روس نے کوشش کی تھی کہ اپنی بری و بحری فوج کو نہایت جلد تر ترتیب دے اور اس کو خوب درست کرے تاکہ جب موقع پیش آئے تو سرویا کو فوج سے مدد دے سکے کیونکہ اس وقت اس نامہ و پیام سے کام نہیں نکل سکتا جو سفیروں کے ذریعہ روس نے سرویا کو ۱۹۰۹ء اور ۱۹۱۲ء میں دیئے تھے۔ سرویا بمقابلہ بلغاریہ کے دو لاکھ ۹۵ ہزار سپاہ لایا تھا مگر اس فوج میں توپوں اور افسروں کی کمی تھی اور پورے طور پر مرتب بھی نہ تھی۔ اس وقت سے ریاست سرویا کی پوری توجہ یہ رہی کہ سپاہ کی آراستگی میں جو کمی ہے اس کی تکمیل کی جائے سرویا کو یہ امید تھی کہ مانٹی نیگرو چالیس ہزار فوج سے جو جنگ آزمودہ بہادروں کی ہے، مدد دے گا۔ اس وقت جو سپاہ سرویا میدان جنگ میں لانے والا تھا اس کی تعداد دو لاکھ ساٹھ ہزار تھی جس میں چالیس ہزار سرحدی گارڈ اور بیس ہزار قلعوں کی سپاہ شامل ہو سکتی تھی، گویا کل فوج کی تعداد تین لاکھ بیس ہزار ہو سکتی تھی۔

فرانسس جوزف شہنشاہ آسٹریا کی سلطنت میں کم سے کم ایک کرور رعایا سروین نسل کی ہے اور ان میں سے بہت بڑا حصہ ایسا ہے جو

اس بات کا منتظر ہے کہ کسی مناسب موقع پر اپنے آپ کو آسٹریا کی حکومت سے
آزاد کرے۔ پس سرویا یہ سمجھا کہ مانٹی نیگرو اور سرویا کی فوج مل کر
جب آسٹریا پر حملہ کرے گی تو اس ملک میں جس قدر سروین ہیں سب
دوستانہ برتاؤ سے پیش آئیں گے اور ہمارے شریک ہو کر آسٹریا سے
مقابلہ کریں گے۔ آسٹریا کو بلغاریہ سے امید تھی کہ وہ ہمارا شریک ہوگا۔ لیکن
بلغاریہ کا خزانہ اور میگزین سب جنگ بلقان میں خالی ہو چکا تھا اور بہت سی
توپیں اور بہت کثیر تعداد میں رائفل وغیرہ سب چھن گئے تھے اور
جو توپیں باقی تھیں وہ کثرت استعمال سے بیکار ہو گئی تھیں۔ بلغاریہ کو
یہ خوف بھی تھا کہ اگر میں نے آسٹریا کو مدد دی تو سرویا یونان کی طرف سے
اور رومانیہ اتر کی جانب سے مجھ پر حملہ کریں گے اور میں دو دشمنوں کے
درمیان گھر جاؤں گا۔ رومانیہ کے پاس بہت بڑا خزانہ اور پانچ لاکھ سپاہ
نہایت اعلیٰ درجہ کی تھی اور اس نے جنگ بلقان میں جب سے صلح کرائی
تھی تب سے بلقان میں پولیس کی ڈیوٹی اختیار کی تھی۔ یعنی اعلان کر دیا
تھا کہ بلقان کی صلح میں اگر کسی ریاست نے خلل ڈالا تو میں اس سے
لڑوں گا اور اس کو سزا دوں گا۔ بلغاریہ کو سرویا اور یونان سے سخت
عداوت تھی مگر اس وقت سرویا سے بدلہ نہ لے سکا۔ کیونکہ رومانیہ مدد کا معاہدہ
سرویا اور یونان دونوں سے کر چکا تھا۔ پس بلغاریہ کو لازم آیا کہ خاموش رہے
اور موقع کا انتظار کرے۔ بلغاریہ نے وقتاً فوقتاً باری باری سے روس،
سرویا، یونان، آسٹریا، اٹلی اور ٹرکی سے دوستی کا اظہار کیا لیکن

کسی سے سچائی کا برتاؤ نہ کیا۔ جیسے کوئی ناکتخدا عورت شادی کے لیے بہت مردوں سے محبت کا اظہار کرے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی ہرجائی کا شوہر بننا کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ ع کہ ایں عجوزہ عروس ہزار داماد ست۔ یہی حال بعینہ بلغاریہ کا ہوا۔

اہل رومانیہ چونکہ نسل اور زبان اور مذہب کے اعتبار سے لیٹن ہیں لہٰذا اُن کو جرمن قوم سے نفرت اور سلیو قوم سے محبت ہے۔ اسی بنا پر ان کو آسٹریا سے بھی ہمدردی نہیں ہے کیونکہ ہنگری میں ۳۰ لاکھ رومانین قوم کی آبادی ہے جن کے ساتھ آسٹریا کا برتاؤ بہت سخت ہے۔ اس کے علاوہ بلقان میں جا بجا پھیلا ہوا ایک فرقہ ہے بنام زناد Kutzo Vilachs جو خانہ بدوشی اور غارتگری پیشہ ہیں اور یہ رومانین نسل سے ہیں اور آسٹریا کی گورنمنٹ اُن کو اپنی پناہ اور حمایت میں رکھتی ہے۔ اس لیے جب کبھی رومانیہ نے کوئی اصلاح کا مسئلہ بلقان میں چھیڑا آسٹریا نے خفیہ اور علانیہ دونوں طرح اُس کی مخالفت کی۔ سچ بات یہ ہے کہ ترکوں کی سلطنت میں جو مقدونیہ نے ترقی نہیں کی اور تمدن میں اور قوموں سے پیچھے رہا اُس کا الزام ترکی پر ہرگز نہیں ہے بلکہ آسٹریا نے اپنے جاسوس نہایت کثرت سے جا بجا بلقان میں مقرر کر رکھے تھے اور وہ لوگ اس کام پر مقرر کیے جاتے تھے جن کا نامۂ اعمال بدچلنی کے باعث سیاہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک مثل مشہور ہو گئی کہ "بلقان کے جیل خانوں کو دیکھو تو اعلیٰ درجہ

کے بدمعاش اور بدافعال لوگ ملیں گے جو آسٹریا کے جاسوس ہیں"۔ آسٹریا کی پالیسی برسوں سے یہی رہی ہے کہ بذریعہ ایسے جاسوسوں کے بلقان کی ریاستوں میں باہم نفرت پیدا کردی جائے جس سے آسٹریا کو آسانی ہو کہ وہ چپکے چپکے بلقان میں اندر ہی اندر دخل پیدا کرتا جائے اور دریائے Adriatic کا مشرقی کنارہ Avlona تک اپنے قبضہ میں کرکے Egean Sea میں نکل کر سیلونیکا (Salonika) تک پہنچ جائے۔ چونکہ مانٹی نیگرو اور سرویا راہ میں حائل تھے لہذا یہ ضروری تھا کہ نووی بازار کے داڑی کو قبضہ میں لا کر مانٹی نیگرو کو سرویا سے الگ کردیا جائے لیکن نووی بازار جنگ بلقان میں سرویا کے قبضہ میں آچکا تھا، لہذا آسٹریا نے ضروری سمجھا کہ سرویا سے لڑائی کا حیلہ ڈھونڈھ کر نووی بازار چھین لے۔ یہ پولیٹکل ارادہ آسٹریا کے حق میں بہت تباہی کا سبب ثابت ہوا، جبکہ اس نے سرویا کے مقابل میں مہم بھیجی۔ جب آسٹریا نے سرویا پر مہم بھیجی تو چاروں طرف سے نش (Nich) گھیر لینے کا ارادہ کیا۔ دو پلٹنوں نے دریائے ڈینیوب (Danube) بیلگریڈ کے نزدیک عبور کرنا چاہا اور تیسری پلٹن نے اتر پچھم کی طرف سے دریائے Save کے پار اترنا چاہا اور چوتھی پلٹن Visigrad کی طرف بڑھی اس ارادہ سے کہ نووی بازار پر حملہ کرکے مانٹی نیگرو کو سرویا سے الگ کردے۔ یہ تجویز اصل میں بہت اچھی تھی مگر تین باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے تھا، وہ نہیں رکھا گیا۔ (الف) یہ کہ سرویا کی قوم نہایت تیزی

کے ساتھ نقل وحرکت کرسکتی ہے۔ (ب) دریائے ڈینیوب کو عبور کرنے کی مشکلات۔ (ج) مانٹی نیگرو کا جوابی حملہ، لودی بازار میں۔

جب تک آسٹریا کی فوجیں آہستہ آہستہ آگے بڑھیں اور دریائے سیو (Save) اور ڈینیوب (Danube) کو عبور کرنے کی کوشش بیدلی کے ساتھ کرتی رہیں، سرویا نے نہایت تیزی سے سپاہ کو حرکت دی اور جنوبی دستہ سپاہ کو ریل سے مقام نش (Nich) پہونچا دیا اور بلغاریہ کی طرف سے اپنی سرحد کو محفوظ کرکے اپنی مشرقی سرحد کی طرف کی سپاہ کو آگے بڑھنے کا موقع دیا۔ مانٹی نیگرو نے اپنی فوج کا ایک دستہ Cattars پر آسٹریا کو روکنے کی غرض سے بھیج دیا اور ایک زبردست فوج کا دستہ آتر کی طرف روانہ کیا جس نے Visigrad پر آسٹریا کو دھمکی دی۔ اب آسٹریا مجبور ہوا کہ مانٹی نیگرو کے مقابلہ کے واسطے اپنے بازو کی طرف سے سپاہ روانہ کرے تاکہ وہ سرویا کی فوج سے نہ ملنے پائے۔ سرویا نے اپنے دارالسلطنت کو چھوڑ کر نش کی طرف واپس جانے کا دھوکا آسٹریا کو دیا اور اصل میں آتر جیم کے گوشہ کی طرف چلے یہاں Ushutza سے دوسری فوج آکر شریک ہوگئی۔ آسٹریا کی فوج دریائے ڈینیوب اور سیو کو عبور کرنے میں نہایت سخت کوشش کئی روز تک کرتی رہی مگر سرویا کے گارڈ نے اور دوسری فوجوں نے جو کئی جگہ سے آکر جمع ہوگئی تھیں، ایسا سخت مقابلہ کیا کہ آسٹرین سپاہ دریاؤں کو عبور نہ کرسکی۔ آسٹریا نے چاہا کہ سرویا پر پورب کی طرف سے بڑی سپاہ

سے حملہ کرے۔ اس میں بھی اُسے ناکامی ہوئی۔ تین دستے سپاہ کے جو لشکر
ہراول میں تھے ایسے بچھل پھوٹ گئے کہ وہ قلب سپاہ سے نہ مل سکے اور
ایسے سروین فوج کی گھات میں پھنس گئے کہ ہلاک ہوگئے اور منجملہ
تین ہزار چار سو آدمیوں کے صرف پچیس ۲۵ زندہ بچے جو گرفتار ہوگئے۔
اس لڑائی کے بعد آسٹرین فوج نے ۹ اور ۱۰ اگست کو دریائے
Drina کے پار اُترنا چاہا جو سرویا کی مغربی سرحد ہے لیکن عبور
نہ کرسکے۔ ۱۱ اگست کو آسٹرین فوج نے رفلوں اور توپوں کی باڑھیں
مارنا شروع کیں اور اُن کی آڑ میں بڑی فوج سے تمام محاذ میں گردا وری
کرتی رہی اور ہوائی جہازوں نے بڑی مستعدی سے کام کیا۔ تب بھی ان
دونوں دریاؤں کے پار نہ جا سکی۔ سرویا کی فوج نے دیکھا کہ اب
دشمن کی سپاہ ہماری فوج سے زیادہ آگئی ہے اور اگر کسی دریا کو بھی اُس نے
عبور کرلیا تو ہمارے دونوں بازوؤں پر سے حملہ ہوگا، تو اُس نے
مناسب سمجھا کہ ذرا ہٹ جائے تاکہ اپنی بڑھی فوج سے جاکر مل جائے
اور دشمنوں کی مدافعت کرسکے۔ سپاہ کا اس طرح بڑھنا کچھ تو اپنی حفاظت
کے لیے تھا اور کچھ اس غرض سے کہ آسٹرین فوج کو دونوں دریاؤں کے
عبور کرنے کی ترغیب ہو۔ ۲۲ اگست کو آسٹریا کی فوج ہراول دریائے
Drina کے پار کرکے پورب کی طرف بڑھی اور دوسرے دستہ فوج نے
دریائے سیو (Save) کو عبور کرلیا۔ دوسرے دن پیپوں کے پل
سیتی تختہ بنائے گئے اور آسٹریا کی سپاہ جوق جوق دریا کے پار اُتر گئی

سرویا میں داخل ہونے لگی۔

اس وقت سرویا کی امدادی فوجیں نہایت تیزی سے آ گئیں۔ یہ تیزی ایسی تھی کہ اگر کسی نے جنگ بلقان میں سروین فوج کی گرداوری نہ دیکھی ہو تو وہ یقین نہ کرے گا۔ ۱۷، ۱۸، ۱۹ ر اگست کو یہ فوجیں اس کثرت سے جمع ہو گئیں کہ اگر بازو سے آسٹرین سپاہ حملہ کرے تو اُسے روک دیں۔ آسٹریا نے حملے پر حملے کیے، اس غرض سے کہ سروین حملہ آوروں کی صفیں توڑ دے، مگر یہ کوشش بے فائدہ ثابت ہوئی اور سرویا کی فوج کو اپنی جگہ سے نہ ہٹا سکی۔ ۱۸ ر اگست کو تیسرے پہر یہ معلوم ہوا کہ آسٹریا کی سپاہ نے حملہ کرنا موقوف کر دیا۔ اُس کا نقصان زیادہ ہوا اور سرویا کی سپاہ جو حملے روک رہی تھی اُس کا بال بیکا نہ کر سکی اور جو دو دستے سپاہ کے یعنی ۴ اور ۹ نمبر کے رُکے ہوئے تھے مدد کو نہ آ سکے۔ ۱۹ ر اگست کو آسٹریا کی طرف سے حملے ہونے بالکل بند ہو گئے۔ آسٹریا کی دو پلٹنوں ۸ اور ۱۳ نمبر کی حالت بہت مایوسی کی ہو گئی اور دو پلٹنیں جو دوسری جگہ پھنسی ہوئی تھیں اُن سے مدد ملنے کی اُمید کچھ باقی نہ رہی۔ سامنے اور پہلو کی طرف آسٹرین فوج کے سرویا کی فوج تھی جس کو شکست ہوئی تھی اور پیچھے دریا تھا جو پایاب نہ تھا اور دریا کو عبور کر کے ایسے ملک سے جانا تھا جہاں کے باشندوں کی حالت یہ تھی کہ اگرچہ دشمن نہ تھے تاہم کھلے بندوں باغی تھے، (شاید بوسنیا سے مراد ہو گی) ایسی صورت میں آسٹرین فوج کا ہٹنا کیا تھا گویا شکست کھا کر بھاگنا تھا۔ اب ہر شخص کو اپنی فکر پڑی اور جس کے جدھر

سینگ سمائے بھاگ کھڑا ہوا۔ نہ سڑکیں تھیں، نہ گاؤں، نہ کھیت۔ تو سمجھ
لینا چاہیے کہ ادھر تو سرویا نے تعاقب کر کے دشمن کی سپاہ کو ہلاک کیا، اُدھر
فاقہ کشی سے ہزاروں مر گئے۔ ۲۰، ۲۱، ۲۲ اگست تینوں دن سروین سپاہ
نے تعاقب کیا اور آسٹرین فوج سے جو بچے تھے اُن کو دریائے Drina
کے اس پار بھگا دیا۔ منجملہ ایک لاکھ بیس ہزار آسٹرین سپاہ کے جنھوں نے
دریائے Drina کو ۱۲، ۱۳ اگست کو عبور کیا تھا بیس ہزار مارے گئے
اور زخمی ہوئے اور پانچ ہزار سے زیادہ قید ہوئے اور جو باقی بچے اُن میں سے
بہت سے بھوک مر گئے یا اوس اور سردی میں غیر محفوظ رہنے سے ہلاک ہو
یا بھاگ کر گھر چل دیے۔ آسٹریا کی ساٹھ توپیں سروین کے ہاتھ آئیں اور
علاوہ اس کے بہت سامان جنگ ملا۔ جب کہ آسٹریا کی فوج بھاگ رہی
تھی، سرویا کی سپاہ نے تعاقب موقوف کر کے اُتر اور پورب کا رُخ کیا تاکہ
جو سپاہ آسٹریا کی اُس طرف پھنسی ہوئی تھی اُس کو گھیر لے۔ اس سپاہ کے
جنرل نے سرویا کے موروچوں پر بہت سخت حملہ کیا اور اس حملہ کی آڑ میں
اپنے لشکر کا بڑا حصہ ہٹا کر دریائے سیو (Save) کے کنارے کی طرف
لے گیا۔ اس حملہ میں آسٹریا کا نقصان بہت زیادہ ہوا اور دریائے سیو میں
جو آسٹریا کے جنگی جہازوں کا بیڑا پڑا ہوا تھا اُس نے آسٹریا کی باقی ماندہ
سپاہ کو دریا کے پار اُتار دیا اور قید ہونے سے بچا دیا۔ پس ۲۴ اگست کو
یہ باقی ماندہ کم بختی کے مارے سپاہی سرویا کی سرزمین کو چھوڑ کر بھاگ گئے
اور اس چھوٹی سی حقیر سمجھی ہوئی ریاست سرویا نے جو مہم سزا دینے کے واسطے

بھیجی گئی تھی اُس کا خاتمہ ہوگیا۔

اب آسٹریا کی صرف ایک فوج سرویا کی سرزمین پر رہ گئی، جس نے پہلے پہل سرویا کے مشرقی حصہ پر حملہ کیا تھا۔ جب روس نے گلیشیا (Glacia) پر مہم بھیجی تھی تو اُس وقت یہ فوج آسٹریا واپس بلائی گئی تھی کہ روس کی سپاہ سے مقابلہ کرے۔ لیکن بہت دور نہ پہونچی تھی کہ جنگ Shabatz کا حال سن کر پھر سرویا آ گئی۔ اُس فوج نے ۸، ۹، ۱۰ ستمبر کو سرویا کا مقابلہ کیا تھا لیکن شکست کھائی تھی۔ بوسینیا کی سپاہ کے وہ دستے جو Shabatz کی شکست فاحش میں شریک نہ تھے، وہ سرویا کو چھوڑ کر Visegrad کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ مگر وہاں سے بھی ۱۱ ستمبر کو سرویا اور مانٹی نیگرو کی فوجوں نے ان کو مار کر نکال دیا۔

شروع میں آسٹریا نے اپنے دشمن کو حقارت سے دیکھا اور اپنی سپاہ کو اِدھر اُدھر تقسیم کر دیا۔ جس وقت سے آسٹریا کو سرویا کے مقابلہ میں کامل فتح اور فوری کامیابی کی اُمید جاتی رہی اُس وقت آسٹرین سپہ سالار کی عقل گم ہوگئی اور بغیر کسی مطلب یا مقصد کے کبھی فوجیں اِدھر، کبھی اُدھر بھیجیں اور اس بیہودگی میں اپنا وقت مفت رائگاں کیا اور اپنی سپاہ کی طاقت زائل کر دی۔ سروین یہ دیکھ کر کہ آسٹرین سپاہ کا نہ کوئی مضبوط ارادہ ہے، نہ کوئی خاص غرض ہے، اُن کو اچھی طرح ناچ نچاتے رہے۔ بالکل یہ معلوم ہوتا تھا کہ سروین گت بجا رہے ہیں اور آسٹرین جنرل اس پر ناچ رہے ہیں۔ جس وقت موقع پایا سروین سپاہ نے دن سے دھاوا مارا۔

اور آسٹرین سپاہ نیست و نابود ہو گئی۔
ایک مہینہ کچھ کم میں سرویا کی ڈھائی لاکھ فوج نے، جن کو آسٹریا نے حقیر سمجھا تھا، آسٹریا کی فوج کو جو تعداد میں کچھ زیادہ تھی، نہایت زبردست شکست دی اور سامان جنگ آدھے کے قریب چھین لیا اور کئی ہفتوں تک اس کو لڑنے کے لائق نہ رکھا۔ لیکن اس جنگ Shabatz میں۔ جو جیدر (Jadar) کی لڑائی کہلاتی ہے، اس کا اثر دور تک پہونچا۔ یہ پہلی لڑائی تھی جس کا نتیجہ قطعی طور پر آسٹریا کے خلاف ہوا اور اُس کا اثر بھی بُرا ہوا۔ یعنی یہ کہ آسٹریا کو معلوم ہو گیا کہ سرویا کے مقابل میں بھی اُس کو کامیابی کی اُمید نہ کرنا چاہیے اور دو فوجیں آسٹریا کی جو جرمنی کو Alsace Lorraine میں مدد دینے کے واسطے تعینات تھیں فوراً واپس بلالی گئیں اور ریزرو (Reserve) فوج جو روس سے مقابلہ کرنے کے لیے گلیشیا (Glacia) میں بھیجی جانے کو تھی وہ بجائے پورب کے دکھن کی طرف روانہ کی گئی اور خود جرمن نے مناسب سمجھا کہ اپنی سپاہ فرانس اور بیلجیم سے ہٹا کے آسٹریا کو بھیجے بجائے اُس فوج کے جو آسٹریا نے سرویا بھیج دی تھی۔ غرض کہ سرویا نے اتحادیوں میں سب سے پہلے قومی آزادی حاصل کرنے کے لیے جرمنی کے فوجی غلبہ کو سخت صدمہ پہونچایا۔ صرف یہی نہیں بلکہ سرویا کی توپوں کی گرج جو مقام Shabatz میں پیدا ہوئی وہ جمدونیہ اور قسطنطنیہ بلکہ بحر Adriatic کے پار روما تک گونج اٹھی۔

گلیشیا میں جرمن فتوحات

اب روس کے معرکے جرمن اور آسٹریا کے مقابلہ میں بیان کیے جاتے ہیں۔ جرمنی نے دونوں طرف میدان جنگ میں یعنی فرانس اور روس کے مقابلہ میں فتح حاصل کرنے کا منصوبہ باندھا تھا لیکن تیس لاکھ سپاہ کی ضرورت، اُس کو فرانس کے مقابلہ میں لے جانی کی تھی اور صرف دس لاکھ سپاہ ملیشیا (Militia) وہ روس کا حملہ روکنے کی غرض سے چھوڑنا چاہتا تھا اور آسٹریا ہنگری پر بھروسا کرتا تھا کہ وہ مشرق کی طرف سے روس پر حملہ کرے گا۔ آسٹریا اور جرمن نے ارادہ کیا تھا کہ روسی پولینڈ کو فتح کرنے کے لئے حملہ کریں۔ تجویز یہ تھی کہ آسٹریا کی دس لاکھ فوج گلیشیا سے بڑھے۔ اُسی وقت جرمن سپاہ اُتنی تعداد کی، لیکن ذرا گھٹیا قسم کی، مشرقی پروشیا (Prussia) اور جرمن پولینڈ کی طرف وارسا (Warsa) پر حملہ کرے۔ اس سے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ روسی فوج پر تین طرف سے حملہ ہو جائے گا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ یا تو وہ شکست کھائے گی یا اپنے ریلوے سنٹر (Centre) سے جو Brest Litorsk میں تھا پیچھے ہٹا دی جائے گی۔

آسٹریا کی بدقسمتی سے روس ان سب تجویزوں سے جو جرمن نے سوچیں آگاہ ہو چکا تھا۔ اس نے مسلسل کئی حملے ایسے کیے کہ جرمن اور آسٹریا کو گمان بھی نہ تھا جس سے سب پروگرام آسٹریا اور جرمنی کا بگڑ گیا۔ جنرل Rennen Kampi نے مشرقی پروشیا (Prussia) میں ایسا چھاپا مارا کہ جرمن فوج آسٹریا کی فوج سے نہ مل سکی۔ اس نے برلن میں رسد

پہونچنے کے ذریعے بالکل بند کر دیے اور Kenigsberg اور
Thom اور Dantzie کو ایسی دھمکی دی کہ جرمن کو اپنی جان بچانے
کی فکر پڑ گئی۔ جب جرمن کو اپنے شہروں کے چھن جانے کا خوف پیدا ہوا
تو روسی پولینڈ سے سپاہ واپس آئی، جہاں فوج ہراول مقام Lodz
تک پہونچ گئی جو وارسا (Warsa) کی راہ میں ہے اور نہایت بدحواسی
سے جلد پروشیا (Prussia) میں جمع ہو گئی تاکہ کاسک حملہ آوروں
کا مقابلہ کرے۔ اس وجہ سے آسٹریا کی فوجیں جو روسی پولینڈ کے پچھم
میں تھیں اُن کی موت زیست روسی جنرلوں کے ہاتھ میں آ گئی۔ جنرل
Daukl اور جنرل Auffenburg اور کئی آرچ ڈیوک جو آسٹریا
کی فوجوں کے سپہ سالار تھے، اُن کو مایوسی نہیں ہوئی۔ اُن کے پاس ڈھائی
ہزار توپیں اور دس لاکھ چیدہ جوان فوج نظامیہ کے تھے۔ ان کے
علاوہ ملیشیا (Militia) کی بڑی تعداد گلیشیا میں تھی۔ انھوں نے
یہ سمجھا کہ روس ایک بیوقوف دیو ہے جو خواب غفلت میں ہے اور جب تک
اٹھے اٹھے تک ہم اس کو ہلاک کر دیں گے۔ پس ان جنرلوں نے دو بڑی
زبردست سپاہیں سرحد پر جمع کیں۔ ایک دریائے Vistula اور
دوسری دریائے Bugrvers کے پہلو بہ پہلو بڑھی۔ انھوں نے اسّی میل
تک لڑائی کی لین قائم کی اور Kholime کی طرف اس ارادہ سے چلیں
کہ وارسا (Warsa) پر دھاوا ماریں گے۔ روسی جنرلوں نے مشرقی گلیشیا
کی سرحد کی لمبائی میں کاسک کی قوم، بطور پردہ کے قائم کر دی اور

اُس کی آڑ میں فوجیں نقل و حرکت کرتی رہیں۔ ڈیڑھ سو میل کی لمبائی
میں ہر راستہ اور پل پر دریائے Dricotar اور دریائے بگ کے
درمیان، یہ کاسک مڈبھیڑ کرتے رہے۔

لڑائی کے شروع سے دو ہفتے تک یہی کیفیت رہی یہاں تک کہ آسٹرین
سپہ سالار جو Lemburg میں تھا یہ سمجھا کہ یہ محض بیہودہ شورش ہے
اور کچھ نہیں ہے۔ تب اُس نے دو ہزار سپاہی بھیجے کہ Podolia
میں گرد آوری کریں۔ جب یہ Gorodok مقام پر پہونچے، تو وہاں
نو سو کاسک تھے، جن کے پیچھے آڑ میں بڑی فوج تھی۔ ان کاسکوں نے
آسٹریائی گرد آور فوج کو پسپا کر دیا اور بڑی فوج جو آڑ میں تھی اُس
سے مدد نہیں مانگی، کیونکہ اُس میں بھید کھلنے کا اندیشہ تھا۔ کاسکوں نے
قصبہ سے نکل کر جنگل میں صفیں آراستہ کیں۔ اُن میں سے تین سپاہی آگے
بڑھے اور آڑ میں بڑھتے ہوئے چلے گئے، یہاں تک کہ آسٹرین سپاہ کے
مقابل آ گئے۔ مقابل آتے ہی کاسک بھاگ کھڑے ہوئے اور ظاہر کیا
کہ گویا خلافِ اُمید یکایک مقابلہ ہو جانے سے گھبرا گئے ہیں۔ آسٹرین
فوج اس حیلہ کو نہ سمجھی اور بے تحاشا کاسکوں کا پیچھا کرنے لگی۔ ان کا پیچھا
کرتے کرتے ایسی جگہ پہونچ گئی جہاں روسی فوج گھات میں بیٹھی تھی یہاں
دونوں طرف سے رائفل اور توپوں کی باڑھ اُن پر پڑنے لگی جس سے
ایک ہزار سپاہی ہلاک اور زخمی ہوئے۔ جو تھوڑے بہت باقی بچے، اُن کا
تعاقب کاسکوں نے کیا اور اب گلیشیا پر روسیوں نے بڑی زبردست فوج

سے حملہ کیا۔ جنرل رسکی (Russky) کا دستہ سپاہ اُتر کی طرف لیم برگ (Lemburg) پر بڑھا اور جنرل Brussiloff کی سپاہ پورب کی طرف سے حملہ آور ہوئی، تاکہ دونوں فوجیں مل کر آسٹرین فوج سے تعداد میں زیادہ ہو جائیں، جو لیمبرگ کی حفاظت کر رہی تھی۔ ان میں سے ہر ایک جنرل کی علیحدہ علیحدہ سپاہ آسٹرین فوج کے مقابل میں مفلوج ہو جاتی لیکن دونوں جنرلوں نے مل کر ایسی خوش تدبیری سے حملہ کیا کہ جنرل Brussiloff کی فوج گالیشیا کے اندر جنگیہ گھس گئی اور بیشتر اس کے کہ دشمن سے کوئی بڑی لڑائی پیش آئے، ملک کا ایک بڑا حصہ فتح کر لیا۔ اس سپاہ کا گالیشیا میں داخلہ نہایت پوشیدہ طور پر عمل میں آیا اور ۱۹ راگست سے ۳۱ راگست تک ۱۳ دن میں روز روشن میں ہوا اور باوجودیکہ آسٹریا کے جاسوس نہایت کثرت سے تھے اور سواروں کے علاوہ ہوائی جہازوں کے ذریعہ سرحد کی نگرانی ہوتی تھی۔ لیکن تب بھی روسی فوج کے داخلہ کا بھید اُس وقت کھلا جب موقع نکل گیا۔ اس بھید نہ کھلنے کی دو وجوہ تھیں۔ ایک تو یہ کہ مشرقی گالیشیا جس طرف سے جنرل Brussiloff اپنی فوج لایا، پُرانے زمانہ میں روس کی ایک ڈچی تھی جو اُس سے نکل کر آسٹریا کے ملک میں شامل ہو گئی تھی۔ مشرقی گالیشیا گویا سلطنت روس کا السس لورین (Alsace Lorraine) تھا۔ جس کے باشندے سلیو (Slav) نسل سے تھے اور جرمن زبان بولتے تھے، اور پروٹسٹنٹ مذہب رکھتے تھے جو Brussiloff کی فوج کے سپاہیوں کا تھا۔ جب روسی سپاہ داخل ہوئی تب قصبوں اور گاؤں کے باشندوں

نے نکل کر بڑی خوشی سے روسیوں کا استقبال کیا اور اُن کو اپنا بھائی سمجھا اور قصبوں اور شہروں میں چھتوں سے سڑکوں پر روسی فوج پر پھول برسائے گئے اور لوگ یہ سمجھے کہ ہمارے بھائی آئے ہیں، جو اس پرانی ڈچی کو آسٹریا کے پنجہ سے چھڑائیں گے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ روسیوں کے خفیہ ایجنٹ اور جاسوسوں نے گلیشیا کی اس رعایا کو پہلے سے تیار کر رکھا تھا کہ جب روس کا حملہ ہو تو اپنی خوش قسمتی سمجھیں۔

کاسک جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، ایک جنگجو قوم ہے، جو لڑکپن سے ایسی تعلیم و تربیت پاتی ہے کہ تمام عمر لڑائی میں بسر کرے۔ پرشین (Prussian) قوم بھی اپنے آپ کو ایسا ہی کہلانا پسند کرتی ہے، مگر اصل میں ایسی ہے نہیں۔ قدیم زمانہ میں کاسکوں اور مغلوں میں بہت جنگ و جدل رہی۔ کاسکوں نے پہلے پولینڈ کی سلطنت قائم کی اور پھر اپنی آزادی برقرار رکھنے کی غرض سے ڈیوک آف ماسکو کے طرفدار ہو کر انھوں نے روس کی سلطنت قائم کی۔ روس کی فوج میں یہ فرقہ نہایت بکار آمد ہے۔ ہر قسم کی لڑائی لڑ سکتا ہے اور ہر قسم کے کرتب لڑائی کے جانتا ہے۔ کبھی نیزہ سے حملہ کرتا ہے۔ کبھی گھوڑے سے اُتر کر سنگین ہاتھ میں لے کر پیدل کی طرح دھاوا کر کے مورچے فتح کرتا ہے۔ بوقت ضرورت خود مورچے بنا لیتے ہیں اور مورچوں سے اعلیٰ درجہ کے نشانے لگاتے ہیں۔

باوجودیکہ روسیوں کی سپاہ Lemburg کے نزدیک آ گئی تھی اور اکثر آسٹریا اور روس کی سپاہ میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں مڈبھیڑ

بھی ہوتی رہی، تب بھی آسٹریا کے سپہ سالار کی آنکھوں پر غفلت کے
پردے پڑے رہے۔ یہاں تک کہ روسی جنرل Brussiloff کی
سپاہ کئی دریاؤں کو یکے بعد دیگرے عبور کر کے Golden Hipa کے
پار جا پہونچی۔ اُس وقت بھی آسٹرین سپہ سالار نے یہ شبہ کیا کہ جنوب کی طرف
سے ہمارے عقب پر دشمن کا حملہ ہونے والا ہے۔ آسٹریا کی تین بڑی بڑی
فوجیں تھیں جو Lemburg کے آس پاس ڈیڑھ سو میل لمبی لڑائی
کی لین کی حفاظت کر رہی تھیں۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ دونوں روسی
جنرلوں کی فوجیں حملہ کریں گی، تو اور دو بڑی فوجیں علاوہ ملیشیا وغیرہ
کے، دونوں جنرلوں میں آسٹریا نے اضافہ کیں۔ یہاں تک کہ پورے
تین لاکھ آسٹرین سپاہی Lemberg کے گرد جمع ہو گئے۔ یہ
جو کچھ آسٹریا نے کیا اگست کے آخری دنوں میں بہت دیر بعد کیا۔
جنرل رسکی اور جنرل Brussiloff کی فوجیں Lemburg
سے چالیس میل کے فاصلہ پر پورب کی جانب متعین ہو گئیں اور
اب متفقہ فوجیں جنرل Russky کی کمان میں Lemburg
پر حملہ آور ہوئیں۔ آسٹریا کے جنرل کوئی ایسے نہ تھے جو روسی سپہ سالاروں
کا مقابلہ دماغی طاقت میں یا فوجی کرتب میں کر سکتے۔ دونوں
فوجیں آخر میں تعداد میں برابر ہو گئی تھیں، لیکن روس کی توپیں
جو فرانس کے کارخانوں کی بنی ہوئی تھیں آسٹریا کی توپوں سے
بہتر تھیں۔ اس کے علاوہ آسٹریا نے اپنے نہایت مشہور Howitzer

بارہ انچ کے، مع بہت سے افسر توپخانہ کے، جرمن کی مدد پہ فرانس اور بیلجیم کی جانب بھیج دیے تھے، جن کے بھیج دینے سے آسٹریا کے سرحدی قلعے مثل لیمبرگ Lemburg وغیرہ کے بہت کمزور ہو گئے تھے۔

اس پر طرہ یہ ہوا کہ جنوبی سپاہ کی مدد کے لئے جو دو پلٹنیں بھیجی گئی تھیں وہ روسی جنرل Russky نے مقام Zloezow پہ روک دیں اور پراگندہ کر دیں اور فتحمند روسیوں نے آگے بڑھ کر ایک پہاڑی موسومہ بہ Naked Hill پر قبضہ کر لیا جہاں سے لیمبرگ کی قسمت کا فیصلہ وہ اپنی مرضی کے مطابق کر سکتے تھے، اس عرصہ میں جنرل Brussiloff کی سپاہ نے جنوب کی طرف سے لیمبرگ (Lemburg) کو گھیر لیا اور آسٹریا کی بڑی فوج کا جو جنوب کی طرف تھا اس سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ یہ فوج مقام Holiez میں دریائے Zipa کے کنارے مورچے کیے ہوئے تھی۔ جس جگہ پہ آسٹرین سپاہ تھی وہ قدرتی طور پر بہت محفوظ تھی۔ کیونکہ جوالامکھی پہاڑ کا ڈھالو کرارا تھا اور اس کا آتش فشاں دہانہ بھی تھا، جو اس وقت دکھائی نہیں دیتا تھا۔ یہ جگہ ایسی تھی کہ اس کو حملہ کر کے لینا مشکل تھا۔ آسٹرین انجینیروں نے بیس چھوٹے چھوٹے قلعے Holiez کے آس پاس بنا رکھے تھے۔ دریا کا راستہ نہایت دشوار گذار تھا، مگر روسی سنگینیں دریا، خندق، مورچے سب پر غالب آئیں اور گولہ اندازوں نے قلعوں اور مورچوں کے ٹکڑے اڑا دیے اور پیدل سپاہ کے لیے راہ کر لی۔ پہلے تو روسی

کھلے بندوں سامنے سے بڑھے۔ پھر لیٹ کر رینگتے ہوئے چڑھتے اور بلندی کی طرف فیر کرتے جاتے تھے، یہاں تک کہ جب زیادہ نزدیک پہونچ گئے تو ایک دم سے کھڑے ہو گئے اور ایک جگہ پکڑ کر گولیاں برسانا شروع کیں۔ اتنے میں ان کی مدد بھی آ پہونچی۔ پھر کیا تھا سنگینیں ہاتھ میں لے کر آگے بڑھے اور پرانا مقولہ جو روسیوں میں مشہور چلا آتا ہے سچ کر کے دکھا دیا یعنی یہ کہ "The bullet is a fool, but the bayonet a hero" یعنی گولیاں بیوقوف چلایا کرتے ہیں اور بہادر سپاہی سنگین سے موت کے گھاٹ اتارتے ہیں۔ آسٹرین اور ہنگیرین سپاہی بھی خوب لڑے اور انھوں نے پورے طور پر داد شجاعت دی۔ خوب سنگینوں کا مقابلہ کیا اور خود بھی سنگینیں چلائیں۔ لیکن ان کی بندوقوں کے نشانے ٹھیک نہیں لگتے تھے کہ روسیوں کے حملے روک سکتے۔ یہ لڑائی ۲۱ راگست کو ہوئی اور ۳۲ گھنٹے رہی۔ تیس ہزار آسٹرین مقتول اور زخمی ہوئے اور روسی فتحیاب ہوئے ؎

قوی دست را فتح شد رہنموں بزنہار خواہی در آمد زبوں

اس فتح کے بعد روسی سپاہ لیمبرگ کی جانب بڑھی اور آسٹریا کی باقی ماندہ ٹوٹی پھوٹی سپاہ کو بھگا دیا۔ جنرل رسکی Russky کی سپاہ نے جو فاصلہ کہ Zloezow سے لیمبرگ (Lemburg) تک چالیس میل کا تھا، وہ بہت جلد طے کر لیا (حالانکہ فوج ستر۱۷ہ دن

سے برابر کوچ کرتی ہوئی اور لیمبرگ کی طرف لڑتی بھڑتی آتی تھی) اور
شہر مذکور کے قریب چند مضبوط مقام فتح کر لیے۔ چھ روز تک ہنگامہ کارزار
گرم رہا۔ یعنی ۲۹ اگست سے ۳ ستمبر تک۔ روسی سپاہ صبح سے شام تک
اور آخر میں دن رات لڑتی رہی اور آسٹرین سپاہ بھی نہایت تیزی
سے لڑنے میں سرگرم رہی۔ روسی فوج گو نہایت تھکی ہوئی تھی اور گرمی
کے موسم کے باعث پیاس سے بہت تکلیف اٹھا رہی تھی لیکن فتح کی
امید کی خوشی میں، پہلے سے بہت زیادہ جوش و خروش سے لڑی۔
آسٹرین فوج جب جنگ سے تنگ آئی تو Lemburg کے قلعوں
میں پناہ لی۔ اب روسیوں نے قلعہ کے آہنی گنبدوں پر گراب مارنا
شروع کیے جو کچھ کہ بیلجیم پر لیج اور نامور میں گذری اور جو کچھ فرانس پہ
موبانج میں افتاد پڑی (بوجہ اُن آسٹرین Howitzers کے
جو بطور مدد کے جرمنی کو دیے گئے تھے) اُن سب کے بدلہ میں گلیشیا کے
قلعوں کی سپاہ کو مصیبت برداشت کرنا پڑی اور ان کے سب مضبوط
قلعوں اور اُن کے آہنی گنبدوں کو روسی Howitzers نے جو
فرینچ کارخانوں میں بنے ہوئے تھے، دو دن میں توڑ پھوڑ کے برابر کر دیا
اور آسٹرین توپیں بھی توڑ دیں۔ جب توپیں بیکار ہو گئیں تو آسٹرین
فوج اس خوف سے کہ مبادا روسی سپاہ سنگینوں سے حملہ کرے، مورچے
چھوڑ کر واپس ہوئی۔ مگر اس واپسی میں فوج چند اول یعنی سب سے
پیچھے کا دستہ فوج بھاگا اور اُس کے بھاگتے ہی سب سپاہ بھاگ کھڑی

ہوئی۔ یہ پیچھے کا دستہ فوج جو بھاگا اور اس سے تمام لشکر میں جو بھاگڑ مچ گئی، وہ حال عجیب و غریب حسب ذیل ہے:-

آسٹرین اور ہنگیرین افسروں نے اپنے آپ کو اور اپنے ہموطنوں کو بچانے کی غرض سے اپنے پیچھے سلیو قوم کی رجمنٹیں کھڑی کی تھیں۔ جن میں گلیشیا کے روسی، پولینڈ کے باشندے، بوسینیا (Bosinia) کے سروین اور بوہیمیا (Bohamia) کے باغی سپاہی تھے اور ان کے پیچھے ہنگیرین سپاہی کھڑے کیے تھے، تاکہ اگر یہ سلیو رجمنٹیں لڑنے سے انکار کریں یا روسیوں سے مل جائیں، تو ان صورتوں میں وہ توپ سے اڑا دی جائیں۔ روسی جنرل کو یہ حال معلوم ہوگیا تھا اس نے حکم دے دیا کہ گراب انہی دستہ فوج پر مارے جائیں جو سب پیچھے ہے۔ گولہ اندازوں نے ایسے نشانے لگائے کہ شیل سلیو رجمنٹوں کے سروں کے اوپر سے گذر کر آسٹرین اور ہنگیرین فوج میں جا کر گرتے تھے اور وہاں پھٹتے تھے۔ ان توپوں کی ہولناک گرج نے اور اس شیل اور گراب نے جو اولوں کی طرح گر رہے تھے اور پھٹ کر چاروں طرف موت کا بازار گرم کر رہے تھے لیمبرگ (Lemburg) سے واپس ہوتی ہوئی سپاہ کو سخت گھبراہٹ میں ڈال دیا۔ کافی سی پھوٹ گئی اور فوج کے کالم کے کالم ٹوٹ گئے اور تمام فوج تتر بتر ہوگئی اور توپیں اور میگزین اور سامان رسد چھوڑ کر Gorodok کے قلعہ کی طرف بھاگیں۔

اب روسی اُتر، دکھن، پورب تین طرف سے لیمبرگ (Lemburg) پر جمع ہو گئے اور آخری لین قلعوں کی لے کر ۳ ستمبر، منگل کے دن، نو بجے صبح شہر مذکور کے بازاروں میں داخل ہو گئے۔ آسٹرین سپاہ کے چند دستوں نے مقابلہ بھی کیا، لیکن ہلاک اور گرفتار ہوئے۔ شہر کے سلیو باشندوں نے روسیوں کا خیر مقدم کیا اور خوشی کے نعرے بلند کیے اور روسیوں کے قومی گیت گائے۔ اِدھر کچھ توپوں کے فیر کی آوازیں آئیں، جو بھاگتے ہوئے دشمن نے شہر کے باہر کیے تھے گویا انھوں نے بھی روسیوں کی آمد کی مبارکباد میں سلامی دی۔ بالاخانوں پر سے، جہاں سے لوگ تماشا دیکھ رہے تھے، پھول برسائے گئے اور مرد و زن سب وہ زبان بولتے تھے جو روسی سپاہ سمجھ سکتی تھی۔ سپاہیوں کے ہاتھ چومتے تھے اور اُن کے روبرو کھانے پینے کی چیزیں پیش کرتے تھے۔ سپاہی گو نہایت تھکے ہوئے تھے کیونکہ رات دن سوائے لڑائی کے اُن کو کوئی دوسرا کام نہیں رہا تھا، لیکن جب وہ بازاروں میں آئے تو خوشی کے مارے اپنی تکان اور بھوک پیاس سب بھول گئے۔

ساڑھے دس بجے صبح روسی پھریرا ٹاؤن ہال میں لہرانے لگا اور شہر کے رئیسوں کا ایک وفد روسی جنرل رسکی (Russky) کی بارگاہ میں حاضر ہوا، جس نے اہلِ شہر کی یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم سلیو قوم کے باشندے سلطنت روس کی خیر خواہ رعایا بننے کو تیار ہیں۔

فتحمند فوج کا طریق عمل نہایت قابل تعریف تھا۔ چونکہ رسد کے سامان سے گاڑیاں بھری ہوئی ساتھ تھیں، اس لیے انھوں نے شہر کے باشندوں سے کسی قسم کی مدد نہیں چاہی اور سپاہ کے سرداروں نے میونسپل جماعت کی مدد سے فوراً امن و امان قائم کر دیا۔ اسباب غنیمت جو ہاتھ آیا وہ آسٹرین فوج کا میگزین تھا اور دو سو توپیں اور سب سامان ڈیرہ، خیمہ اور لڑائی کا سامان جو ہاتھ آیا بے شمار تھا، کیونکہ آسٹریا اور ہنگری کے ہر حصہ سے جمع کر کے Lemburg میں اکٹھا کیا گیا تھا کہ سرحد پر چھ مہینہ یا زیادہ تک فوج کے کام آئے۔

دریائے وسٹولا (Vistula) اور Driester پر روسیوں کی فتح اور افواج آسٹریا ہنگری کی ہلاکت و تباہی

کئی صدیوں سے آسٹریا حملہ آوروں کی جولانگاہ رہا ہے۔ ترکوں نے، سویڈن کے باشندوں نے، پروشیا والوں نے اور فرینچ نے وقتاً فوقتاً اس پر حملے کیے۔ ایک دفعہ ترکوں نے دارالسلطنت وائنا (Vienna) بالکل لے لیا ہوتا، اگر پولینڈ کے بادشاہ John Sobreski نے اس کو نہ بچایا ہوتا، مگر اس کا شکریہ آسٹریا نے یوں ادا کیا کہ پولینڈ کی سلطنت پامال کرنے میں جو کوشش چند شاہان یورپ نے کی، ان میں آسٹریا شریک غالب تھا۔ روسیوں نے ۱۹ صدی کے وسط میں ہنگیرین (Hungarian) قوم کو آسٹریا کی حکومت سے آزاد ہونے سے

روک دیا۔ اس کا بدلہ آسٹریا نہایت کفران نعمت کے ساتھ کر رہا ہے
کہ روس سے متصادم ہے۔ یہ کام آسٹریا نے بڑی بیوقوفی کا کیا۔ گو
ہنگیرین قوم روس سے اس بات کا بدلہ لینا چاہتی ہے کہ روس
نے اس کی آزادی کی کوشش کو کامیاب نہ ہونے دیا اور اسی وجہ
سے آسٹریا سے موافقت کر رہی ہے، لیکن تب بھی آسٹریا کا روس پر
حملہ کرنا ایک دیوانگی کی حرکت ہے، کیونکہ آدھی رعایا آسٹریا کی
ایسی ہے جو سلیو (Slav) نسل سے ہے اور اپنے حاکموں سے ناخوش
رہ کر روس کو اپنا نجات دہندہ سمجھتی ہے۔ یہ آدھی رعایا آسٹرین قوم
کے خلاف ہے اور روس کی طرفداری کی خواہشمند ہے۔ یہی وجہ تھی کہ
جس وقت آسٹریا روس کے مقابل میں میدان جنگ میں آیا، اس
کی تباہی اور بربادی ہو گئی۔ روس پر حملہ کرنے میں آسٹریا کو
کامیابی کی امید برائے نام بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس سے تو یہ کام
آسان تھا کہ وہ اپنے پرانے دشمن پروشیا (Prussia) پر حملہ کرتا۔
لیکن پروشیا نے اس کو دھوکا دیا اور ہنگری نے جو روس سے بدلہ
لینا چاہتا تھا، اس کو روس سے لڑنے کی ترغیب دی۔ ان دونوں وجوہ
سے آسٹریا روس سے بھڑ گیا اور اپنی شامت اعمال سے اپنے آپ
کو اس نے تباہ کیا۔ آسٹریا نے جو مہم روس کے مقابلہ پر بھیجی، وہ
پہلے تین ہفتہ تک کامیابی کے ساتھ کام کرتی رہی۔ سرحد کے پار
جاکر چار پانچ لاکھ آسٹرین سپاہ روسی سرزمین پر پھیل گئی اور وارسا

(Warsa) اور Brest Litorsk کی طرف بڑھی۔

یہ فوج دریائے Vistula کی طرف بہت آہستگی سے آگے بڑھی اور اُس کے دونوں طرف پھیل گئی۔ پھر اُس کے بائیں کنارہ پر Radom کی جانب اور داہنے کنارے پر Kholime اور Lublin کی طرف آہستگی سے بڑھی۔ اس آہستگی کی وجہ یہ تھی کہ آسٹریا کو جرمن کے آنے کا انتظار تھا۔ لیکن جرمن کی سپاہ ہراول Lodg اور Petrokov تک آکر واپس گئی، کیونکہ جو جوابی حملہ مشرقی پروشیا پر کیا تھا، اُس کے باعث جرمن نے اپنی تمام سپاہ، جو وہ فرانس کے محاذ سے بچا کر لا سکتا تھا مشرقی پروشیا پر ڈال دی تھی۔ اب آسٹریا کو مشکل کا سامنا آگیا۔ جرمن کی مدد کے وعدہ پر اعتبار کرکے ایسی سخت خطرناک مہم اپنے ذمہ لی تھی اور اب ایسے نازک وقت پر اُس کو محض اپنے بھروسے پر کام کرنا پڑا۔ آسٹرین جنرل زیادہ دور تک ملک روس میں بڑھ نہ سکتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جس قدر ہم آگے بڑھ جائیں گے اُسی قدر ہم اپنے ملک سے دور پڑ جائیں گے اور فوجوں کی مدد اور اُن کی آمدورفت میں دیر لگے گی۔ کیونکہ روس کے ملک میں نہ ریلیں زیادہ ہیں، نہ اچھی سڑکوں کی کثرت ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ اس ملک میں نپولین کی سپاہ نے شکست فاحش کھائی تھی۔ ان خیالات کی بنا پر آسٹرین جنرل کوئی حملہ ایسی تیزی اور سختی سے نہ کر سکے جس تیزی اور سختی سے

ان کا دوست جرمنی پچھم کی جانب فرانس کے مقابلے میں حملے کر رہا تھا
آسٹریا کا حال تو یہ تھا، مگر روس نہایت دور اندیشی سے کام کر رہا تھا
اور وارسا (Warsa) اور Kiev کے درمیان بہت بڑا لشکر
اُس نے جمع کیا تھا۔ آسٹریا کو اُس نے وارسا اور Ivangorod
کی طرف بڑھنے سے روکا اور سواروں کے رسالوں کی آڑ میں اس
کو رکھ کر آسٹرین سپاہ کو ہلاکت کی جگہ پر پہنچانے کی تدبیر کر رہا تھا۔
دریائے Vistula کے دوسری طرف جو دریائے مذکور
اور دریائے بگ کے درمیان جنگل ہے اس راستہ پر روس نے پہلے
آسٹرین سپاہ کو آگے بڑھنے کی ترغیب دی، خصوصاً Kholime کی
جانب بڑھائے گیا۔ روسیوں کا جو دستہ فوج آگے تھا وہ بہت چھوٹا
تھا اور اپنی جگہ چھوڑتا جاتا تھا۔ آسٹرین سپہ سالاروں نے ان
چھوٹی سی کامیابیوں کو بہت مبالغہ سے اپنے ملک کے باشندوں
پر ظاہر کیا، کیونکہ اپنے ملک کے باغی سلیو (Slav) رعایا کو ڈرانے
اور اُن کی ہمت توڑنے کے لئے اس کی ضرورت تھی۔ اسی طرح کی
کامیابی سے آسٹرین جنرل Dauki اور جنرل Auffenburg
مقامات Lublin اور Kholime کی طرف بڑھے اور روس کے
ملک میں پچاس میل تک پہونچ گئے۔ ۲۵ اگست کو آسٹرین فوج
ایسی جگہ پہونچ گئی کہ وہاں سے اُن شہروں پر زد پڑ سکتی تھی۔
یہاں سے ریل کا سلسلہ جو ان مقامات کے درمیان تھا بہت قریب

تھا اور یہیں سے وارسا اور Ivangorod کو بھی ریل گئی تھی۔
لیکن روسیوں نے مقامات مذکور یا ریلوے کو آسٹرین سپاہ کے
قبضہ میں آنے نہیں دیا۔ غرضکہ دریائے Vistula اور
دریائے بگ کے درمیان، ایسی جگہ پر آسٹریا کی فوج آگئی،
جہاں گرانڈ ڈیوک نکلس (Grand Duke Nicholas) روسی
سپہ سالار یا قائد اعظم اُن کو لانا چاہتا تھا۔ ۲۳ سے ۲۹ اگست تک
روسی سپہ سالار نے آسٹرین حملہ آور فوج کو Lublin Kholme
ریلوے لین لینے سے روکے رکھا۔ دوشمین گن کے افسروں نے
کچھ بلندی پر سے گولے مارے اور حملہ آوروں کی صفوں کو بہت
نقصان پہونچایا اور پھر سنگین سے روسیوں نے ایسا حملہ کیا کہ
آسٹرین سپاہ مقابلہ کی تاب نہ لاسکی۔ اور بھاگی اور بھاگتے ہیں
ایک دلدل میں پھنس گئی۔ جس میں سے چھ ہزار سپاہ گرفتار ہوگئی۔
روسیوں کی سنگینوں نے آسٹرین سپاہ کے مقابلہ میں بڑا کام
کیا۔ یہ سنگینیں جرمن کے مقابلہ میں بھی حملہ کا عمدہ اوزار ثابت
ہوئیں۔ لیکن آسٹریا کے لئے تو پورا اثر تھیں۔ پولینڈ کے دریاؤں
کے درمیان جو سلسلہ لڑائیوں کا روسیوں اور آسٹرین فوجوں کے
درمیان رہا۔ اُن میں ڈھائی لاکھ آسٹرین روسی سنگینوں کی بدولت
گرفتار ہوئے صرف ایک موقع پر سنگینوں کے حملہ میں ناکامی ہوئی اور
ایک سارجنٹ میجر جو سپاہ کے ساتھ تھا حملہ کرنے میں گرفتار ہوگیا

اتفاقیہ جس افسر کے چارج میں وہ دیا گیا، وہ سلیو قوم کا ایک عہدہ دار تھا۔ روسی اور آسٹرین عہدہ داروں کی بولی ملتی جلتی تھی، جس کو دونوں سمجھ لیتے تھے۔ روسی افسر نے نہایت فصاحت سے بیان کیا کہ آسٹریا میں جو سلیو قوم کی سپاہ ہے اگر وہ روس سے جا ملے تو ہم لوگ نہایت مہربانی سے اس کا خیر مقدم کریں گے اور یہ کہ روس چاہتا ہے کہ تمام سلیو رعایا کو آسٹریا کی حکومت سے آزادی دلائے۔ اس روسی افسر کی گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ وہ سلیو افسر مع اپنی تمام سپاہ کے واپس چلا گیا اور سبھوں نے روسیوں کی اطاعت قبول کر لی۔

جب آسٹرین سپاہ نے دیکھا کہ سامنے سے روسیوں کی فوج دباتی ہوئی بڑھتی چلی آتی ہے اور دریائے Vistula کے پار دریائے بگ کے بائیں کنارے تک پھیل گئی ہے، تو انھوں نے بہت جلد مدد بھیجی۔ یہاں تک کہ پولینڈ کے دریاؤں کے درمیان قریب سات لاکھ آسٹرین فوج ہو گئی اور تین لاکھ گلیشیا میں رہی۔ ان کے علاوہ مدد کے واسطے سپاہ کے کئی دستے رہے جو آمد و رفت کے راستوں کی بھی حفاظت کرتے تھے۔ ان کے مقابلہ کے لئے جو روسی سپاہ پہلے تھی، وہ چھ لاکھ تھی۔ پلٹنیں برابر ریلوں سے اتر رہی تھیں اور میدان جنگ میں جا رہی تھیں مگر تب بھی پوری مدد نہیں پہونچا سکتی تھیں۔ روسی جنرل Sukhombnoff نے ایک کام بڑی جرات کا کیا جس سے گرانڈ ڈیوک نکلس روسی کمانڈر ان چیف کو پوری مدد پہونچ گئی۔

اُس نے اُس فوج میں سے جو مشرقی پروشیا پر حملہ کر رہی تھی، بہت
سے دستہ سپاہ واپس بلا لیے اور Ivangorod پر پہونچا دیے
تاکہ روسی سپاہ کے بائیں بازو مقام Lublin پر مضبوط کر دے۔
یہ کام اُس وقت کیا گیا جب کہ جرمن جنرل ہنڈن برگ
(Hendenburg) مقام Thorn پر لشکر جمع کر رہا تھا کہ روسی
حملہ آور سپاہ پر مقام Zannenberg اور Konigsberg
پر جوابی حملہ کرے۔ روسی جنرل Samsonoff تو پروشیا میں
Zannenberg کے مقام پر شکست کھا چکا تھا اُس کی دو پلٹنیں
سخت ضرورت کی وجہ سے پولینڈ کی جانب مقامات Lublin
اور Kholime پر بھیج دی گئیں اور دوسرا روسی جنرل
Rennenkampf جو مقام Konigsberg میں تھا اُس کو
یہ سخت مشکل کام سپرد کیا گیا کہ اپنی کمزور سپاہ کو جنرل ہنڈن برگ
(Hendenburg) کی سپاہ عظیم سے لڑتا ہوا اپنی سرحد کی طرف
لوٹ آئے۔ اس کا کام یہ بھی تھا کہ جرمن قائد اعظم کو یعنی ہنڈن برگ
کو لڑائی میں ایسا مشغول رکھے کہ وہ جرمن فوج کا کوئی بڑا حصہ
پروشیا سے پولینڈ میں بھیج کر آسٹرین فوج کو مدد نہ دے سکے۔ اس
اثنا میں روسی فوج جو Lublin اور Kholime میں تھی۔ اُس کو
جنرل Rennenkampf کے حصہ فوج سے مدد پہونچ گئی، تو
اُس نے حملہ کر دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ آسٹرین جنرل Daukl کو

بہت تردد ہو گیا اور Lublin کی جانب اُس کا بڑھنا رک گیا اور اُس کی حالت بہت خطرناک ہو گئی دو سو میل تک لڑائی کی لین چلی گئی تھی، جس کے دہنے بازو پر جنرل Daukl کی سپاہ رُکی ہوئی پڑی تھی جس پر روسی فوج غلبہ کیے ہوے تھی۔ روسی سپہ سالار نے کل لین پر دھاوا کر دیا اور اس تدبیر سے کیا کہ جو آسٹرین سپاہ بائیں بازو پر تھی وہ دہنے بازو کی مغلوب سپاہ سے نہ مل سکی، اور اس کو مدد نہ پہونچا سکی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۵ نمبر کا ہنگیرین ڈویژن (Hungarian Division) شکست کھا کر پراگندہ ہو گیا۔ ایک ہفتہ تک دریائے Vistula اور دریائے بگ (Bug) کے درمیان لڑائی ہوتی رہی اور کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اس عرصہ میں روسی جنرل کا منشا فقط یہ رہا کہ جنرل Daukl کو روکے رہے اور جنرل Auffenburg کو ایسا تنگ کرے کہ وہ آرچ ڈیوک فریڈرک کو گلیشیا میں مدد نہ پہونچا سکے۔

دونوں آسٹرین جنرل یعنی Daukl اور Auffenburg جانتے تھے کہ جنوب کی طرف اُن کی فوج کا داہنا بازو مغلوب ہو گیا ہے اور شکست کھا چکا ہے۔ اس لئے انھوں نے سخت کوشش کی کہ روسی سپاہ کو سامنے سے مغلوب کر کے اپنی شکست کا بدلہ لیں۔ ایک زبردست سپاہ آسٹریا کی دریائے Vistula کے پار، مقام Radom میں تھی۔ یہ نہایت تیزی سے

Ivangorod کی طرف بڑھی، مگر یہاں کے قلعہ کی فوج نے دشمن کو شکست دی۔ آسٹرین فوج دریائے مذکور کے اوپر کی جانب ہٹ گئی۔ جہاں جنرل Daukl مورچے ڈالے ہوئے تھا وہاں جا کر پیپوں کے دو پل بنائے اور اس کی فوج سے جا ملی۔ جنرل Daukl یہ مدد پا کر Lublin ریلوے کی جانب بڑھا، لیکن روسیوں نے اپنی ساری امدادی فوج ادھر ڈال دی اور پھر آسٹرین سپاہ کو روک دیا۔ جب آسٹرین Ivangorod پر حملہ کر رہے تھے اور جنرل Daukl دریائے وسٹولا (Vistula) کی دوسری طرف سے اُن کا شریک تھا، دوسرے آسٹرین جنرل Auffenberg نے روسیوں کے قلب سپاہ پر دھاوا کر دیا جس کے باعث روسی سپہ سالار مشکل میں پڑ گیا۔ اب روسی سپاہ کو پیچھے ہٹنا پڑا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مقام Kholime پر دشمنوں کا قبضہ ہو جائے گا، کیونکہ یہی ایک کمزور مقام روسی لین میں تھا۔ جو فوج اُس کی حفاظت کر رہی تھی وہ تھکی ماندی تھی۔

۱۰ ستمبر کو دونوں فریق کی حالت یکایک بدل گئی۔ جنرل رسکی (Russky) مقام Lemburg سے فوج لے کر آ گیا اور اتنے فاصلے سے برابر کوچ کرتا ہوا سپاہ لایا جو ایک حیرت انگیز کرشمہ تھا۔ اب آسٹرین جنرل Auffenberg کی سپاہ پر تین طرف سے حملہ ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آسٹرین سپاہ جو حملے کر رہی تھی، خود روسی حملوں

کی مدافعت کرنے لگی اور کئی موقعوں پر پیچھے ہٹنے لگی۔ خوب معرکہ کارزار
گرم ہوا اور چند گھنٹوں تک یہ معلوم ہوتا تھا کہ آسٹرین سپاہ کا
درمیانی حصہ ٹوٹ جائے گا۔ لیکن اُس کے جنرل اور قائد اعظم نے
نہایت مستعدی سے سپاہ کے قلب اور بازو کو درست کرلیا۔ اتنے میں
جرمن کی امدادی فوج تین لاکھ نہایت شان و شوکت سے مع بھاری
توپوں کے عین وقت پر پہونچ گئی۔ اس کے ساتھ بہت عمدہ
سپاہ Trol اور ہنگری کی شامل تھی۔ اس میں سے ڈیڑھ لاکھ
سپاہ جرمن مع بڑے توپ خانہ کے، روس کے علاقہ میں چلی گئی اور
مقام Turolim کے اردگرد پہاڑیوں پر دونوں آسٹرین جنرل
Daukl اور Auffenburg کی فوجوں کے درمیان قائم
ہو گئی۔ دوسری ڈیڑھ لاکھ جرمن سپاہ اُس تازہ وارد ہنگیرین
فوج میں شامل ہو گئی اور مل کر ایک نیا دھنا بازو قائم کیا۔ اس
میں چونکہ سلیو قوم کے سپاہی شامل نہ تھے، جن کے خیالات باغیانہ
تھے، لہٰذا یہ نئی ترتیب دی ہوئی گلیشین فوج پہلی سپاہ سے زیادہ
زبردست تھی اور آرچ ڈیوک فریڈرک قائد اعظم کی مستعدی اور
قابلیت بہت زیادہ تعریف کے قابل ہے جس نے فوج کو تباہی
اور بربادی سے نکال کر طاقت بخشی۔
آخر میں جہاں آسٹرین نے جگہ پکڑلی تھی وہ بہت مضبوط تھی۔
البتہ یہ بُرائی تھی کہ اُس کے پیچھے دلدل تھی۔ پچیس سو ضرب توپ

اُس کے پاس تھی، جن میں جرمن توپیں اور Mixims بہت
کثرت سے شامل تھیں۔ یہ سب سپاہ مقام Ravaruska پر
جمع ہوئی، جو روسی سرحد کے قریب ہے۔ روسیوں نے آسٹریا کے قلب
سپاہ پر Frontal attack حملہ کیا، جیسا کہ نپولین کا پرانا
طریقہ تھا۔ لیکن ایسی زبردست سپاہ اور اتنی زبردست اور زیادہ
توپوں کے مقابلہ میں حملہ کیا کہ نپولین نے بھی واٹرلو (Waterloo)
کے مقام پر نہیں کیا تھا۔ قاعدہ ہے کہ قلب سپاہ توڑنے میں حملہ آور
فوج بہت ضائع ہوتی ہے، خصوصاً جبکہ کثیر تعداد سے زبردست
توپیں آگ برسا رہی ہوں۔ اس وجہ سے روسی سپاہی نہایت
خاموشی، بہادری اور استقلال سے آگے بڑھتے جاتے تھے اور
جہاں وہ گرے اُن کی جگہ پر دو چند سپاہی پیچھے سے پہونچ گئے۔ وہ بھی
شہید ہوئے تو چار چند سپاہی عقب سے اُن کی جگہ پر آگئے۔ یہاں تک
کہ کمپنی کے بعد کمپنی اور رجمنٹ کے بعد رجمنٹ کٹتی جاتی تھی۔ آفتاب
غروب ہو گیا اور رات کی تاریکی میں حملہ آور روسیوں نے
سنگینوں سے حملہ کیا۔ بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ تڑکا ہوتے ہوتے
روسی فوج نے آسٹرین قلب سپاہ کے ٹکڑے اُڑا دیے۔ آسٹرین
فوج کا سویرا ہو گیا اور سپاہ میں ابتری پڑ گئی۔ آسٹرین جنرل
Daukl جس کی فوج کا یہ حال ہوا اپنی جگہ مایوسی میں چھوڑ کر
نہایت تیزی سے ہٹا۔ کیونکہ اُس کو یہ خوف تھا کہ مبادا کاسکول

کا رسالہ اُس کے عقب سے آکر واپسی کی راہ بند کر دے، تو ایسی صورت میں تمام سپاہ ہلاک ہو جائے گی۔ آخر وہ اپنی سپاہ کو دریائے Vistula کے کنارے کنارے ترتیب کے ساتھ لے آیا لیکن Daukl کی سپاہ کے یکایک ہٹ جانے سے جرمن فوج ڈیڑھ لاکھ جو Turolim کی پہاڑیوں پر تھی، غیر محفوظ حالت میں ہو گئی اور روسیوں نے اُن کی غفلت کی حالت میں پہلو پر سے حملہ کیا۔ جرمن اس وقت تک اپنی بڑی توپیں مورچوں پر لگا نہ پائے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ ہزار جرمن سپاہ کھیت رہی اور بڑی توپیں سب روسیوں نے چھین لیں۔ یہ ۲۳ نئی توپیں نہایت اعلیٰ درجہ کی تھیں۔ جن پر شہنشاہ جرمن کا مانوگرام (طغرا) بنا ہوا تھا۔ لیکن جرمن بہت بہادری سے لڑے۔ آخر کار اُسی طرف ہٹ گئے، جدھر اُن کے ساتھی، آسٹرین گئے تھے اور دریائے Vistula پر مقام Annopol میں پہونچ گئے۔

گرانڈ ڈیوک نکلس نے نہ چاہا کہ آسٹرین سپاہ کا وسطی حصہ یا قلب سپاہ اس طرح جان بچا کر نکل جائے۔ ۹ار ستمبر کی شام سے رات بھر روسی سپاہ مارچ کرتی رہی اور فوج کے بعض دستوں نے بہت زیادہ تکلیف برداشت کی۔ بہت بڑا فاصلہ طے کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آسٹرین سپہ سالار (Auffenberg) کی سپاہ ۱۰ ار ستمبر کو چاروں طرف سے گھر گئی۔ روسی جنرل رسکی (Russky)

نے اس نظر سے کہ کیوں لاکھوں بندگان خدا کا خون ناحق بہایا جائے ایک افسر مع سفید جھنڈے کے جنرل Auffenburg کے پاس بھیجا کہ اطاعت قبول کر لے۔ آسٹرین جنرل نے جیسا کہ آج کل دستور ہے، اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا۔ کیونکہ اس کا ارادہ تھا کہ میں اس فوج کو، جو مجھے گھیرے ہوئے ہے، چیر کر نکل جاؤں۔ کوئی لائق جنرل ہوتا، وہ بھی اس وقت ایسا ہی کرتا۔ کوئی گھری ہوئی فوج، جس کے پاس رسد اور لڑائی کا سامان کافی ہو، اگر وہ نہایت تیزی اور جوش سے مقابلہ کرے جیسا کہ جرمن نے بعد میں مقام Lodz پر کیا تھا، تو اکثر محاصرہ چیر کر باہر نکل جاتی ہے، گو اس میں سپاہ کا چوتھا یا پانچواں حصہ کام آ جاتا ہے۔ یہی جنرل Auffenburg کرنا چاہتا تھا لیکن وہ اس ارادہ میں پورا کامیاب نہ ہوا۔ ایک دن کی سخت ہلاکت کے بعد سپاہ بیدل ہو گئی۔ اُتر، پورب، پچھم تینوں طرف سے روسی اُس کی سپاہ پر ٹوٹ پڑے۔ صرف دکھن کی طرف سے راہ خالی چھوڑ دی تاکہ اُس طرف کو آسٹرین فوج ہٹے۔ لیکن آسٹرین فوج کے لیے اس طرف ہٹنا قہر تھا کیونکہ دریائے Sav کی دلدل تھی، جس میں Auffenburg کی سپاہ مار پر مار کھاتی ہوئی کٹتی پٹتی آ کر پھنس گئی۔

اس عرصہ میں جنرل Dauki کی سپاہ جو اپنے مرکز

سے ہٹ کر دو دن کی راہ چل چکی تھی، اس کی بہت بُری طرح روسیوں
نے خبر لی۔ اس طرح پر کہ روسی سپاہ کے چند مسلح دستے دریائے
Vistula کی طرف چلے تاکہ وہاں کی روسی سپاہ میں شامل
ہو کر جنرل Daukl کی فوج کو ابتری کی حالت میں ڈال کر
دوسری دلدل میں جو دریائے Vistula اور دریائے Sav
کے درمیان تھی ڈال دیں۔ آسٹرین جنرل کی بڑی غلطی یہ ہوئی
تھی کہ اس نے اپنی سپاہ ایسی جگہ قائم کی تھی کہ اس کی پشت
پر دلدل تھی۔ جب وقت اس جنرل کی سپاہ شکست کھا کر پیچھے
ہٹی تو دلدل میں پھنس گئی، جس میں آدھی فوج ضائع ہو گئی۔
اور لڑائی کا سب سامان اور بہت توپیں چھن گئیں، لیکن بہت
زیادہ توپیں دلدل میں پھنس کر رہ گئیں۔

جنگ عظیم میں برطانیہ کی فتح

ماہ دسمبر سنہ ۱۹۱۸ء میں ایک جلسہ عام بمقام ٹون ہال فرخ آباد زیر صدارت مجسٹریٹ ضلع اس غرض سے منعقد ہوا کہ رعایا کو یہ خوشخبری سنائی جائے کہ دولت برطانیہ کو بمقابلہ جرمن کے، جنگ عظیم میں کامیابی حاصل ہوئی اور اس شکست میں جرمن کو کیا کیا نقصان پہونچے اور برطانیہ کو کیا کیا حاصل ہوا۔ مشران صاحب نے اس موقع پر حسب ذیل تقریر فرمائی :-

حضرت میر مجلس اور حضرات انجمن!

روز عیش و طرب و بادہ و جام ست امروز
کام دل حاصل و ایّام بکام ست امروز

آج نہایت خوشی کا دن ہے کہ ہم لوگ ہندو مسلمان عیسائی ہر فرقہ اور جماعت کے اشخاص اس غرض سے جمع ہوئے ہیں کہ اولیائے دولت انگلشیہ کی فتح و ظفر پر خوشی کا اظہار کریں۔ ایسی زبردست اور نتیجہ خیز فتح ابتدائے آفرینش سے کسی سلطنت کو بھی میسر نہیں آئی۔ گویا عدل و انصاف نے بمقابلہ ظلم و ستم کے اور تہذیب و شائستگی نے بمقابلہ جہالت کے فتح پائی یا نور نے بمقابلہ ظلمت کے غلبہ پایا۔ برطانیہ نے اپنی عادت اور خصلت مستمرہ کے موافق تہذیب انسانی اور آزادی دنیا کا طرفدار ہو کر چھوٹی

قوموں کو پامالی سے بچانے کے لئے اور عہد و پیمان کو پورا کرنے کے لیے تلوار میان سے کھینچی تھی - وہ تلوار اس نے پھر میان میں ڈالی ہے - جبکہ حقوق انسانی کی حفاظت کر چکا اور اپنے تمام فرائض سے سبکدوش ہو چکا اور اس تلوار کو دشمنوں کے خون میں رنگین کر چکا اور دشمنوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار چکا - سچ پوچھیے تو لڑائی کا نتیجہ جو ظہور میں آیا وہ قدرتی تھا -

ہمارے ملک ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہوا ہے کہ اس نے اس جنگ عظیم میں کافی حصہ لیا اس کی فوجوں نے ایشیا، یورپ اور افریقہ کی فوجوں کے سامنے بہادریاں دکھائیں اور داد شجاعت دی اور برٹش فوج کے ساتھ ساتھ ساؤتھ افریقہ، کناڈا اور آسٹریلیا کی فوجوں کے کاندھے سے کاندھا بھڑا کر جرمن کو شکست پر شکست دی - اس کے چھکے چھڑا دیے اور دانت کھٹے کر دیے جو کچھ ہندوستان نے اس موقع پر خیر خواہی یا جاں نثاری کی اس کو حضرت ظل الٰہی یعنی شہنشاہ معظم اور جناب وزیر اعظم اور حضور وائسرائے بہادر تسلیم فرماتے ہیں، جس پر ہم کو ہمیشہ فخر و ناز رہے گا - ہمارے ملک معظم اپنی زبان فیض ترجمان سے فرماتے ہیں :-

"In responding to the call upon her natural resources, India has played a part

worthy of her martial qualities and high traditions. She has fullfilled my faith in her single-minded devotion to my person and Empire and she has vindicated my confidence in her loyalty."

شہنشاہ معظم کے وزیر اعظم نے جو پیام وایسرائے ہند کو
بھیجا ہے، اُس میں فرماتے ہیں:-

"In this titanic struggle India has borne a great and noble part and her armies with those of Britain and the dominions have shed their blood on the battle-field of this continent."

حضور وایسرائے نے ۱۳ر نومبر کو شملہ میں جو اسپیچ دی ہے،
اُس میں فرماتے ہیں:-

"India has played a great and noble part in the stuggle. She was early in the field helping to stem the rush of the Teutonic hordes and she has been in at the end and her armies largely contributed to the staggering blow in Palestine, which first caused our foe to totter to his fall."

صرف اسی وقت نہیں بلکہ دہلی کی وار کانفرنس میں

بھی حضور وایسرائے نے اپنی تقریر دلپذیر میں ہندوستان کے بارے میں جو الفاظ فرمائے وہ آپ کے سننے کے قابل ہیں اور ہمارے فخر کے لائق ہیں۔ حضور پُرنور فرماتے ہیں:-

"If the war were to stop tomorrow, the tale of India's share in the great war will form no unworthy page in her glorious annals. Her sons have fought not without glory on every front. In East Africa, in Palestine, in Mesopotamia they have borne away victorious laurels."

صاحبو! اس وقت عارضی طور پر لڑائی بند ہے اور اس کے متعلق بھی بہت سخت شرطیں جرمن سے کی گئی ہیں اور میعاد ۳۶ دن کی دی گئی ہے، جس میں توسیع کی بھی گنجائش ہے۔ شروع سال ۱۹۱۹ء میں صلح کی ایک کانفرنس بیٹھے گی جس میں ہمارے ملک کا بھی ایک Representative یعنی سر ایس۔ پی۔ سنہا شریک ہوگا۔ یہ صاحب پہلے وار کانفرنس میں شریک ہو چکے ہیں۔ ہم کو گورنمنٹ کا شکرگزار ہونا چاہیے کہ اُس نے ہم لوگوں کو وہی حقوق دیے ہیں جو اور حکومت خود اختیاری رکھنے والی نوآبادیوں کو عطا فرمائے ہیں کہ ہم سلطنت کے معاملات میں پورا حصہ لیتے ہیں۔ گو اس وقت عارضی طور پر لڑائی بند ہے لیکن کامل طور پر یقین ہے کہ اب جرمنی

سر نہیں اٹھا سکتا اور اتحادی سلاطین کی فتح کامل میں ذرّہ برابر شک نہیں ہے۔ میں آپ کو مختصر طور پر وہ شرطیں سناتا ہوں جو اتحادیوں نے قائم کی ہیں اور جرمن کو مجبوراً ماننا پڑیں، تب عارضی طور پر لڑائی بند ہوئی ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) جرمن تمام ملک اور مقامات خالی کردے جہاں جہاں اُس کی فوجوں نے قبضہ کیا ہے۔

(۲) جن ملکوں اور مقامات کو جرمن خالی کرے وہاں رعایا جو ملک سے نکل گئی ہے، اُن کے نقصانات کا معاوضہ دے اور بیلجیم کے بنکوں سے جو روپیہ امانت کا لیا ہے اُس کو واپس کرے اور جو جو مقامات خالی ہوں وہاں اتحادی بادشاہوں کی فوجیں داخل ہوں گی۔

(۳) پانچ ہزار توپیں، تیس ہزار مشین گنیں، دو ہزار ہوائی جہاز پانچ ہزار Locomotive ڈیڑھ لاکھ Wagon اور پانچ ہزار موٹر بطور تاوان دے۔

(۴) روس، رومانیہ اور ٹرکی کو خالی کردے اور رومانیہ اور روس کے ساتھ جو صلحنامے ہوئے تھے وہ سب منسوخ اور کالعدم سمجھے جائیں

(۵) جس قدر آبدوز کشتیاں بہم پہنچ سکیں اور چھ Battle Cruiser اور دس Battle-ships اور آٹھ Light cruiser اور پچاس Destroyer اتحادی بادشاہوں کے حوالے کیے جائیں وہ جس بندرگاہ میں چاہیں گے اُن کو گرفتار رکھیں گے۔

ان شرطوں کے علاوہ بے شمار سامان جنگ اتحادیوں کے ہاتھ آیا اور شروع سال میں جب کہ مستقل صلح کی شرطیں طے ہوں گی تو اور بھی زیادہ کڑی شرطیں ہوں گی۔ جن سے جرمنی ہمیشہ کے لیے پامال ہوجائے گا اور کبھی آیندہ سر نہ اٹھا سکے گا۔

صدا جو اڈیڑھ مہینہ ہوا کہ بلغاریہ شکست فاش کھا چکا۔ اس کے بعد ٹرکی اور آسٹریا نے اطاعت قبول کی اور جب جرمنی اکیلا رہ گیا تو اُس نے پریسیڈنٹ ولسن سے درخواست کی کہ صلح کرا دو اور اُن کی کوشش سے یہ صلح ظہور میں آئی۔ اس جنگ عظیم میں اس وقت تک جو نتیجے ظہور میں آئے وہ مختصراً حسب ذیل ہیں:۔

(الف) جرمنی کے قبضہ سے آلسس لورین کے صوبے نکل گئے جو ۴۸ برس سے اُس کے قبضہ میں تھے اور وہ بدستور فرانس کے قبضہ میں چلے گئے اور جرمنی کے مقبوضات ماورا البحر یعنی مشرقی افریقہ کی نو آبادیاں برطانیہ کے قبضہ میں آگئیں۔ اور اب غالباً اُس کو واپس نہ ملیں گی۔

(ب) ترکوں کے قبضہ سے پانچ مشہور زرخیز مقامات نکل گئے۔ (ایشیا میں) بصرہ، بغداد، دمشق، موصل، بیت المقدس۔ اور یورپ میں درۂ دانیال اور آبنائے باسفورس اتحادیوں کی فوج بحری کے لیے کھول دیا گیا اور قسطنطنیہ میں اتحادیوں کی فوج قاہرہ داخل ہوگئیں۔

(ج) اسی طرح آسٹریا کی سلطنت کے کئی ٹکڑے ہو گئے اور کئی خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں اور ہنگری، جو بہت عرصہ سے آسٹریا کی سلطنت کا جزو اعظم تھا خود مختار ہو گیا۔ اٹلی نے آسٹریا کے مقابلہ میں نمایاں فتح حاصل کی اور چند مقامات اس نے چھین لیے اور بہت سامان حرب وضرب اور لاکھوں قیدی گرفتار کیے اور آسٹریا کے شہنشاہ کو تخت چھوڑنا پڑا۔

(د) جرمنی کا بادشاہ بھاگ گیا اور تخت سے اتار دیا گیا۔ اس کا بیٹا اور پوتا بھی تخت پر نہ بیٹھ سکا بلکہ اس کے خاندان سے تخت نکل گیا اور جمہوری سلطنت قائم ہو گئی شہنشاہ جرمنی ہالینڈ میں چھپا ہوا ہے اور تعجب نہیں کہ وہ اپنے ظلم وستم کی سزا پائے اور مثل نپولین بوناپارٹ کے کسی جزیرہ میں قید کر کے بھیج دیا جائے اس وقت جرمن رعایا جو سات کروڑ ہے غلہ کی محتاج ہو رہی ہے اور برطانیہ اور امریکہ کی گورنمنٹ نے ذمہ لیا ہے کہ ان کو خوراک پہونچائیں گے۔ دیکھیے یہ دھرم جدھ ہے کہ لڑنے کے وقت لڑے اور اب اپنے دشمنوں کی جانیں بچا رہے ہیں کہ وہ بھوکوں نہ مریں۔

صاحبو! ہمارے ملک ہندوستان بلکہ ساری دنیا کی حفاظت اس وقت انگریزی فوج بحری کی بدولت ہوئی جس کے باعث جرمن فوج ہندوستان پر حملہ نہ کر سکی۔ ورنہ ہندوستان کا حال مثل بیلجیم وغیرہ کے ہوا ہوتا اور ہم سب تباہ و برباد ہو گئے

ہوتے۔ پس سرکار کا شکرگذار ہم کو ہونا چاہیے جس کی بدولت ہماری جان مال آبرو سب محفوظ رہی۔ اسی فوج بحری کی بدولت امریکہ کی فوج ملک فرانس میں پہونچ گئی۔ اور نہایت تقویت کا باعث ہوئی۔

صاحبان والا شان۔ دنیا کو اس جنگ عظیم کے نتیجوں سے دو سبق حاصل ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ بدعہدی اور جھوٹ، فریب اور ظلم وستم دنیا میں کامیاب نہیں ہو سکتے اور اگر تھوڑے عرصہ تک بظاہر فائدہ پہونچائیں تو آخر میں سب کی نفرت کا باعث ہوتے ہیں جیسا کہ جرمنی کا حال ہوا کہ تمام دنیا کو اس سے نفرت پیدا ہوگئی اور سب نے اسے چھوڑ دیا حتیٰ کہ اس کے حلیفوں نے بھی اس کی آزمائش کر کے اس سے علیحدگی اختیار کی اور نیز یہ کہ راستبازی، حق پرستی اور سچائی پر قائم رہنا اور عہد وپیمان کا پابند رہنا اور وعدہ وفا کرنا اور اس اصول پر عمل کہ "Live and let live" بڑی عمدہ باتیں اور دنیا میں کامیابی اور نیکنامی کے اوزار ہیں۔ دیکھیے انگریزوں نے انہی اصول پر عمل کرنے سے کتنی بڑی کامیابی اور نیکنامی حاصل کی۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ تکلیف ومصیبت اور مشکل کے وقت ہوش وحواس قائم رکھنا اور دامن صبر وتحمل دست استقلال سے نہ چھوڑنا اور حق پر آئندہ کامیابی کی اُمید پر مضبوطی سے قائم رہنا اعلیٰ درجہ کے اصول کامیابی ہیں۔ دیکھیے

برٹش قوم پر سال گذشتہ کس قدر مشکلات آپڑی تھیں مگر انہی اصول پر عمل کرنے سے سب حل ہوگئیں۔ برٹش قوم کی سیرت قدیم اہل روما سے مشابہ ہے کہ جس قدر مشکلات پیش آتی ہیں اُسی قدر صبر و استقلال اور جرأت و ہمت اور سعی و کوشش اور خوش تدبیری سے مشکلات پر غالب آتے ہیں۔

صاحبان ذی شان! آیئے اب ہم اور آپ سب کھڑے ہو کر اس عظیم الشان فتح کا شکریہ اُس قادر مطلق کی درگاہ میں ادا کریں۔ اور اپنے ہر دلعزیز شہنشاہ کے حق میں ترقی دولت کی دعا مانگیں۔

"یا الٰہی ہم تیری درگاہ میں نہایت عاجزی سے شکر گذار ہیں کہ تو نے ایسے زبردست اور قوی دشمن کے مقابلہ میں ہمارے بادشاہ جارج پنجم کو کامیاب کیا جس نے دنیا بھر میں تہذیب اور آزادی قائم رکھنے کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ یہ تیری قدرت اور تیرا انصاف ہے کہ تو نے ظالموں اور بد عہدوں کو شکست دی اور جو بادشاہ حق پر تھے اُن کو کامیاب کیا۔ یا الٰہی تو نے ہمارے وطن مالوف ملک ہند کو اس لڑائی کی آگ سے محفوظ رکھا اور اس موقع پر تو نے ہم کو برٹش قوم کے سایہ عاطفت میں پناہ دی جس کے باعث اور جس کی بدولت تمام دنیا کی تہذیب اور آزادی بحال و برقرار رہی۔ یا الٰہی تو ہمارے شہنشاہ معظم کو سالہا سال تخت برطانیہ پر حکمران اور تندرست و خوش و خرم رکھ"

"خطباتِ مُشران"

اخبارات و رسائل کی نظر میں

(۱) **اخبارِ حریت** - یہ خطبات، علم و ادب، تاریخ و سیاست، شعر و سخن اور تحقیق و بصیرت کے ہر شعبہ کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں۔ ان کی زبان نہایت سلیس و رواں اور انداز بیان نہایت دلچسپ و خوشگوار ہے۔ ان خطبات کی تکمیل اردو ادب کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے۔

(۲) **مخبرِ عالم** - سورگباشی پنڈت سندر نراین صاحب مشران کے خطبات ادب اردو کی دنیا میں ایک گرانقدر اور بیش بہا اضافہ ہیں۔ سیاست، تاریخ، ادب، معاشرت، فنون لطیفہ، شاعری، فلسفہ اور قومی زندگی کے بہت سے مسائل و معاملات پر ان خطبات میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۳) **بہارِ کشمیر** - زبان کی سلاست اور روانی کے لحاظ سے اگر اس کتاب کو ایک ادبی شہ پارہ کہا جائے تو بجا ہے۔ اسے پڑھ کر پنڈت صاحب مرحوم کے مذاق سخن اور روانی طبع کا پتہ لگتا ہے۔ کتاب دیکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

(۴) **کشمیر راتکل** - مجموعہ زیر نظر محض وقتی چیز نہیں ہے۔ آیندہ نسلیں بھی، نثر و نظم دونوں کے لحاظ سے، اس کو عمیق و دقیق خیالات اور ٹکسالی زبان کا ایک مستند رسالہ خیال کریں گی۔

(۵) **اسٹیسمین** - خطبۂ قادر الکلامی، تبحر علمی اور اسلام اور اسلامیات سے کما حقہ واقفیت ظاہر کرتے ہیں۔

اقتباس از "ہماری زبان"

انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی کا پندرہ روزہ اخبار

پہلی مارچ ۱۹۴۳ء

خطباتِ مُشران شہیدِ ادب جناب پنڈت سدرشن نرائن رئیس فرخ آبادی کی تقریروں اور خطبوں کا مجموعہ - نہایت عمدہ چکنا کاغذ کتابت اور طباعت اعلیٰ نفیس جلد - تقطیع ۲۲×۲۹/۲ صفحات ۳۶۲ - ملنے کا پتا - جناب پنڈت جگموہن نرائن مُشران نمبر ۲۳۶ ونگفیلڈ پارک لکھنؤ

یہ تقریریں دو چار کے سوا سب زبانی ہوا کرتی تھیں - ان کی تعداد ۔۔۔ صاحبِ تقاریر کی تصویر کے علاوہ پندرہ تصویریں اُن حضرات کی بھی ہیں جو تقریر کا موضوع تھے - شروع میں ڈاکٹر وحید مرزا صاحب صدر شعبہ السنہ مشرقیہ یونیورسٹی کا تبصرہ اور مقدمہ از جناب نسیم امروہوی اور ریویو وغیرہ ہیں -

ایسی دل افروز اور دیدہ زیب کتابیں کم دیکھنے میں آتی ہیں اور خاص کر آج کل کے زمانے میں جب کہ ادھر کاغذ عنقا کا شہپر بنا ہوا ہے اور ادھر لوگوں کے دلوں پر جتھہ بندی اور مناقشہ آفرینی نے قبضہ کیا ہوا ہے - یہ کتاب اپنی ظاہری و معنوی خوبیوں میں جیسی عدیم المثال ہے ایسا ہی اس کا مصنف بھی زود ہمہ گیری اور ادب پرستی میں بے نظیر تھا - انھیں عام طور پر شہیدِ ادب کہا جاتا ہے کہ ۱۷ جنوری ۱۹۴۲ء کو فرخ آباد کے ایک عظیم الشان مشاعرے میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے آپ جاں بحق ہوئے - تقریروں کے موضوع اتنے اور متنوع ہیں کہ آپ کی واقفیت کی وسعت اور طبیعت کی ہمہ گیری دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور آپ کے جذبۂ خلوص و اتحاد اور ادب دوستی کا نمایاں ثبوت ہیں یہ کتاب ہر کتب خانے میں اور ہر اردو جاننے والے کے پاس ہونی چاہیے - آپ کے خلف الصدق پنڈت جگموہن نرائن صاحب ملک کے شکریے کے مستحق ہیں جن کی کوشش اور فراخ دلی کی بدولت یہ جواہرِ ادب کے تاج کی زینت بن گئے -